اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب

تصنیف

فاضل علوم اسلامیہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

ضیاء اکیڈمی کراچی

(اتقان اُردو لینی ہے)

انبیاء کرام علیہم السلام جسمانی طور پر زندہ ہیں فرمانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صفحہ نمبر 59 پر ملاحظہ فرمائیں۔

★ صفحہ نمبر 132 پر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز کے قضا ہونے کا واقعہ۔

★ صفحہ نمبر 41 پر یہ کہ قرآنِ کریم میں اُنتیس یا پچاس قبیلوں کی لغت کے الفاظ ہیں۔

★ "عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح" کی تفصیل صفحہ نمبر 117 پر

① صفحہ نمبر 34 تا صفحہ نمبر 40 پر اہم ترین مندرجات ہیں

② صفحہ نمبر 56 پر مودودی مکر کا نمونہ

③ صفحہ نمبر 62 تا 63 " " "

④ صفحہ نمبر 65 تا 71 تک دس احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کریں

⑤ صفحہ نمبر 71 تا 73 پر عمدہ ترین بحث

⑥ صفحہ نمبر 74 تا 80 پر اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کس مقبول کی خوبصورت بحث۔

⑦ صفحہ نمبر 98 پر بہت اہم بات کفارِ عرب سے متعلق

⑧ صفحہ نمبر 99 پر بین دجل (یعنی دھوکہ دہی) کا ثبوت ہے

⑨ صفحہ نمبر 103 پر مودودی خیانت کا ایک اور نمونہ

⑩ صفحہ نمبر 109 پر اللہ، نبی، ولی اور باپ سے محبت کی خوبصورت دلیل

⑪ صفحہ نمبر 110 پر مودودی خیانت کا ایک اور بدترین نمونہ

⑫ صفحات نمبر 114 تا 115، 116 اور 117 خاص دیکھنے کے ہیں

⑬ صفحات نمبر 120 تا 121 پر ایک اہم حدیث کا بیان اور دھوکہ بازیاں مذاہب مودودی

⑭ صفحہ نمبر 123 سے آخر تک عظیم ترین اور اہم ترین ہے

اسلام کا تصورِ الٰہ

اور

مودودی صاحب

تصنیف

فاضل علوم اسلامیہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ

ضیاء اکیڈمی کراچی

دوکان نمبر ۱، خواجہ ہاؤس، چھاگلہ اسٹریٹ، کھارادر، کراچی

فون: 2431600-2444061

نام کتاب	اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب
مصنف	حضرت مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
تعداد	۱۰۰۰
ضخامت	۱۳۶
ایڈیشن	بار اوّل (جدید کمپوزنگ)
کمپوزر	الوقار انٹر پرائزز 0300-213 8240
سن اشاعت	جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ / اگست ۲۰۰۳ء
ناشر	ضیاء اکیڈمی، کراچی
قیمت	

ملنے کے پتے

مکتبہ رضویہ، گاڑی کھاتہ، آرام باغ، کراچی۔ فون: 2627897

ضیاء الدین پبلی کیشنز، نزد شہید مسجد، کھارادر، کراچی۔ فون: 2203464

ضیاء ٹیپ کیسٹ سینٹر، نزد شہید مسجد، کھارادر، کراچی۔ فون: 2204048

حنفیہ پاک پبلی کیشنز، نزد بسم اللہ مسجد، کھارادر، کراچی۔

عباسی کتب خانہ، جونا مارکیٹ، کراچی۔ فون: 7526456

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 2210212

مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی۔ فون: 4926110

مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔ فون: 0300-2277454, 7722163

مکتبہ قادریہ، برائٹ کارنر، نزد چاندنی چوک، کراچی۔ فون: 4944672

مکتبہ اہلسنّت، برائٹ کارنر، نزد چاندنی چوک، کراچی۔ فون: 2435088

انتساب

اس کتاب کو اپنے پیرو مرشد.........

قطب مدینہ

خلیفہ اعلیٰ حضرت

حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین قادری رضوی مدنی علیہ الرحمۃ

کی خدمت عالیہ میں پیش کرتا ہوں

جن کے.........

روحانی فیض.........

نگاہ کرم.........

نے مجھے اس کتاب کو شائع کرنے کا حوصلہ

اور ہمت دی.........

محمد ریاض گوا والا

فہرست

مُقدّمہ

تاریخ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کی کئی روشن تحریکیں اُٹھیں اسی طرح کئی ایسی تحریکیں چلیں اور ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی لبادہ اوڑھ کر عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچایا۔ زیادہ دور نہ جائیں صرف برصغیر ہی کی دوسو سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے ہاتھوں میں قرآن اٹھا کر تحقیق اور اصلاح امت کا نعرہ لگا کر اس مقدس کتاب کو اپنی عقل کی کسوٹی پر تولنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانیت، نیچریت، پرویزیت، وہابیت اور مودودیت جیسے فرقے وجود میں آئے۔ ان فرقوں کے بانیان نے جمہور مسلمانوں کی راہ سے ہٹ کر اپنی جداگانہ راہیں نکالیں۔ ان ہی میں سے جماعت اسلامی کے بانی و امیر جناب ابوالاعلیٰ مودودی نے بہانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ ان کا جمہور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں!......

''میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت اور شافعیت کا پابند ہوں۔''

(رسائل و مسائل حصہ اول ص ۱۸۹)

یعنی، حنفیت اور شافعیت سے آزاد ہو کر سواد اعظم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ یہی وہ آزاد خیالی تھی جس نے مسٹر مودودی کو قرآن کریم کی ایسی تفسیر اور تشریح کرنے پر اُبھارا جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے نہ کی اور جمہور متقدمین و متاخرین، مفسرین و محدثین و فقہاء کی کاوشوں کو یکسر رد کر دیا۔

چنانچہ لکھتے ہیں!......

''قرآن و سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں۔''

(تنقیحات، ص ۱۷۵)

مودودی صاحب نے اپنی اس آزادانہ روش پر چلتے ہوئے ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' نامی کتاب لکھی جس میں الٰہ ــــ رب ــــ عبادت ــــ اور دین کو قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں مقرر کر کے لغت اور قرآنی آیات کی روشنی میں ان کی تشریح کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں!......

''اس مضمون میں کوشش کروں گا کہ ان چاروں اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کر دوں اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو۔''

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۱۳)

حالانکہ خود مودودی صاحب لغت وتفسیر کو دور آخر کی ایجاد قرار دیتے ہیں چنانچہ اپنی اسی کتاب (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۱۱) میں رقم طراز ہیں!......

''ان ہی دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب ولغت وتفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔''

اب آپ ان متضاد بیانات کو پڑھ کر اسے تضاد بیانی کہیے یا ذہنی انتشار یا جو کچھ کہیں............

محترم قارئین! ہمیں مودودی صاحب یا ان کی جماعت اسلامی سے کوئی ذاتی عناد یا عداوت نہیں ہے ہمارا مقصد صرف اظہار حقیقت اور عوام کی بھلائی ہے تاکہ وہ حقیقت حال سے باخبر ہو کر اپنے ایمان اور اپنے عقائد واعمال کو محفوظ رکھ سکیں۔ جناب مودودی صاحب کے عقائد و نظریات کی ہر مکتب فکر کے علماء نے تردید کی ہے اور تاحال جاری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مودودی صاحب کے قلم سے ایک مومن ہی کیا اولیائے کرام، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، انبیائے عظام حتیٰ کے سرور کائنات فخر موجودات حضور پرنور ﷺ کی ذات پاک بھی نہیں بچ سکی۔اس سلسلے میں مودودی صاحب کی چند توہین آمیز عبارات ملاحظہ ہوں:

☆ ''(انبیائے کرام علیہم السلام) رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے اور بیمار بھی ہوتے تھے۔آزمائشوں میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کے قصور بھی ان سے ہو جاتے

تھے اور انہیں سزا تک بھی دی جاتی تھی۔''
(ترجمان القرآن، ص۱۵۸، مئی ۱۹۵۵ء)

☆ ''اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔''
(تفہیم القرآن، ج ا، ص۱۲۱، طبع پنجم)

☆ ''ہر شخص خدا کا عبد ہے مومن بھی اور کافر بھی حتیٰ کہ جس طرح ایک نبی اسی طرح شیطان رجیم بھی۔''
(ترجمان القرآن، ج۲۵، ص۶۵)

اب ذرا دل ودماغ کو تھامئے، محبوب کائنات ﷺ کے بارے میں پڑھئے کہ مودودی صاحب کا قلم کس طرح بے لگام ہو رہا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سے متعلق مودودی صاحب کے نازیبا القابات ملاحظہ ہوں:

☆ ''یہ قانون جو ریگستان عرب کے اَن پڑھ چرواہے نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔''
(پردہ، ص۱۵۰)

☆ ''جو اللہ ایک اَن پڑھ بدوی کو ایک ملک کا نہیں تمام دنیا کا ایک زمانے کا نہیں تمام زمانوں کا لیڈر بنادے۔''
(تفہیمات، ص۲۳۱)

کاش ایسا لکھتے وقت اس کے ہاتھ شل ہو جاتے۔ جس محبوب کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین، یا ایھا النبی، یا ایھا الرسل، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر، طٰہٰ، یٰس جیسے پیارے القابات سے پکارے اس محبوب رب العالمین کو مودودی صاحب کا قلم گھٹیا اور نازیبا لفظوں سے پکار رہا ہے(نعوذ باللہ)

اختصار کے پیش نظر ان ہی چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مودودی صاحب کی گستاخیوں پر علیحدہ سے بلا تبصرہ کتاب تیار کی جاسکتی ہے بلکہ کئی کتب دستیاب بھی ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب'' ہے۔حضرت موصوف نے اس کتاب میں ماڈرن مفسر کی بے لگام قلم کو خوب لگام دی۔نہ صرف یہ بلکہ اس کی علمی قابلیت کی بھی قلعی کھول دی اور مودودی صاحب جو مجتہد اور مجدد بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اسے چکنا چور کر دیا۔

ایک مقام پر علامہ موصوف نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں مودودی صاحب کی علمی گرفت فرمائی، لکھتے ہیں!.....

''آپ کی حیرت کی انتہا نہ ہوگی جب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مودودی صاحب نے تمام ماخذوں میں "لاہ یلیہ لیہا ولاہا" کو بھی شامل کیا ہے، حالانکہ نہ تو لاہ کا مادہ ا ل ہ ہے اور نہ الٰہ اس سے مشتق ہے۔ کسی پنج گنج اور علم الصیغہ پڑھنے والے معمولی طالب علم سے دریافت کر لیجئے وہ بھی کہہ دے گا کہ لاہ دراصل لیہ تھا جو تعلیل کے بعد لاہ ہوگیا تو لاہ کا مادہ ل ی ہ ہوا۔''

اور پھر اس پر آپ دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اس لئے ہر قاری کو چاہئے کہ ایک مرتبہ اس کتاب کو اول تا آخر ضرور پڑھ لے تاکہ مودودی صاحب کا اصلی چہرہ بے نقاب ہو۔

حضرت قبلہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ جنہوں نے اپنے بزرگوں سے پائی ہوئی میراث یعنی حق کا دفاع اور باطل کی بیخ کنی میں کما حقہ اپنے فرائض انجام دیئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو درازیٔ عمر بالخیر عطا فرمائے آمین۔

یہ کتاب محدث اعظم اکیڈمی نے ۱۹۶۷ء میں کچھوچھا شریف انڈیا سے شائع کی لیکن ایک طویل عرصہ سے یہ کتاب ناپید ہو چکی تھی اب پاکستان میں کراچی کے محترم، محمد ریاض گوا والا ''ضیاء اکیڈمی'' کے زیر اہتمام اسے جدید کمپیوٹرائز طباعت کے ساتھ شائع کرنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی اور مذہبی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کی روزی روزگار اور اعمال صالحہ میں برکتیں عطا فرمائے۔

والسلام

خلیل الرحمٰن چشتی

ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان، کراچی

۱۰ ستمبر ۲۰۰۳ء
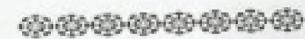
آغازِ سخن

مصطلحہ جماعت اسلامی کے بانی اور امیر جناب ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے ایک کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' تالیف کی ہے جس کے اب تک چار ایڈیشن نکل چکے ہیں مذکورہ کتاب میں الٰہ ''رب'' عبادت اور دین کو قرآن کی بنیادی اصطلاحیں قرار دیتے ہوئے بظاہر لغت اور آیات قرآنی کی روشنی میں ان کے مفاہیم کی متعین کرنے کی جدوجہد کی گئی ہے اس کتاب کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں ضمیر متکلم ''میں'' کا استعمال فاضل مؤلف کی عام تالیفات سے علیحدہ ایک مخصوص رنگ میں ملتا ہے، جس کا اندازہ آپ کو آگے چل کر ہوگا لیکن یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ مودودی صاحب کی تحریروں کا خاص وصف تحکمانہ لب و لہجہ اور مافوق البشری طرز تکلم ہے وہ جس بات کا بھی دعوے کرتے ہیں اس کی بلند آہنگی اور گھن گرج میں شبہ نہیں اور نہ اس کے (Thought Provoking) چونکا دینے والے خیال ہونے میں کوئی احتمال ہے البتہ جب وہ استحکام دعوے کی خاطر کبھی کبھار دلائل کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے چہرے کا رنگ یکا یک متغیر ہو جاتا ہے اور پھر وہ ایک نفسیاتی ردعمل کے تحت اس طرح کی باتیں شروع کر دیتے ہیں:

''عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے۔'' الخ

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۱۰)

''لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہوگیا۔ اس کی ایک

وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے الٰہ، رب اور دین اور عبادت کے وہ معنی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے ان ہی دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب لغت وتفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔" الخ

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۱۱)

مذکورہ بالا تحریر سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ مودودی صاحب الٰہ، رب، دین اور عبادت کے جن مفاہیم کی اشاعت چاہتے ہیں ان کی تائید وتصدیق کتب لغت وتفسیر سے نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی موجودگی میں موصوف کے افکار کا "انوکھا پن" سلامت نہیں رہتا۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلے ان کتب لغت "وتفسیر" کو دور آخر کی پیداوار بتا کر مشکوک وغیر معتبر کر دیا جائے اس کے بعد ان کتابوں کے مرتب کرنے والوں کو "خالص عربیت کے ذوق کی کمی" کی وجہ سے "اصل معنی لغوی" سے بے خبر و ناآشنا کہہ کر مسلمانوں سے بے تعلق بنا دیا جائے اس طرز عمل سے اگر ایک طرف مفسرین، محدثین، فقہاء اور محققین کا صدیوں کا گرانقدر علمی سرمایہ حباب برآب کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسری جانب ایک ایسی فضا ہموار ہوتی ہے جہاں مودودی صاحب کے تخمین وظن، نصوص کا درجہ حاصل کریں، جہاں ان کے "خالص عربیت کے ذوق" کا سکہ چلے اور جہاں ان تمام اسلامی افکار سے ان کے براہ راست واقف و باخبر ہونے کا اعلان جاری رہے "جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے" یہ بات کچھ کم اہم نہیں کہ مودودی صاحب "دور آخر" کی قید لگا کر ہمارے اذہان کو "دور اول" کی سمت لے جانا چاہتے ہیں جس کی امتیازی شان ان کے لفظوں میں یہ ہے:

"عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں، کیونکہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے"۔ (صفحہ ۱۰)

لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرانی اور بڑھ جاتی ہے کہ اتنا عظیم الشان اور انقلاب آفریں دعویٰ ـــــ اور دلیل میں نہ کسی کتاب لغت کا حوالہ ہے نہ کسی تفسیر کا ذکر! آخر کس کتاب لغت کو معتبر سمجھا جائے اور کس تفسیر کو سر آنکھوں پر رکھا جائے اس لئے کہ لغت اور تفسیر کی جس قدر کتابیں آج موجود ہیں وہ سب بقول مودودی صاحب دور آخر کی پیداوار ہیں اور دور اول سے ان کا کوئی ربط وتعلق نہیں۔ یہاں جس دور اول کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے اس عہد میں تدوین کتب کا تصور ہی نہیں تھا لہٰذا کوئی بتائے کہ مودودی صاحب کی معلومات کا اصل ماخذ کیا ہے؟ اور یہ علم ان پر کس طرح منکشف ہو گیا کہ دور اول کے قرآنی الفاظ مصطلحہ بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ اپنا چولا بدلتے گئے" یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا؟ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر مودودی صاحب کی انانیت پسندی، تحکمانہ مزاج، مافوق البشری طرز تکلم اور نفسیاتی ردعمل کا شدید احساس ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ان کی بے قید "میں" والی ذہنیت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دین اسلام کو بازیچہ اطفال بنانے والوں نے ہمیشہ اپنے قیاسات اور ظنیات (Conjectures) ہی کو اصول دین سے تعبیر کیا ہے اور اپنے توہمات کے مقابل دینی مسلمات سے بھی اعراض کرنے میں چہرے پر کوئی شکن نہیں آنے دی ہے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں اخوان الصفا کے نام سے ایک انجمن بغداد میں قائم ہوئی جس کا منشور (Manifesto) یہ تھا کہ:

"اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہو گئی ہے اس کو صرف فلسفہ کے ذریعہ دھویا اور پاک کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ فلسفہ اعتقادی علوم و حکمت اور اجتہادی مصلحتوں پر حاوی ہے اب صرف فلسفہ یونان اور شریعت محمدی کے امتزاج سے کمال مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔"

(ملاحظہ ہو: تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب از محمد لطفی جمعہ ص ۲۵۳)

اسی اخوان الصفا کے اثر سے فرقہ باطنیہ وجود میں آیا باطنیوں کا بھی محبوب مشغلہ قرآنی

اصطلاحات کی عقدہ کشائی تھا انہوں نے بھی اس حقیقت کو جان لیا تھا کہ الفاظ ومعانی کا باہمی ربط اسلام کے نظام فکر وعمل کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی وحدت پر ماضی سے ان کے گہرے لگاؤ کی وجہ بھی یہی ہے چنانچہ باطنیوں نے بھی طے کیا کہ دینی الفاظ واصطلاحات کے متعینہ معانی ومفاہیم میں تحریف وتبدل کے ذریعہ امت اسلامیہ کو ہر دعوت اور ہر نظام خیال کا شکار بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ساری ذہنی قوتوں اور توانائیوں کو اس تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کردیا کہ ہر لفظ دو حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اول ظاہری اور دوم حقیقی یا باطنی ــــ ظاہری حیثیت صرف جاہلوں کے لئے ہوتی ہے لیکن حقیقی یا باطنی حیثیت پر تنہا علماء اور دانشوران جہان خاکی ہی نگاہیں رکھتے ہیں اس نقطہ نظر کی ایجاد کے بعد باطنیوں نے قرآنی الفاظ واصطلاحات کی قیاسی اور ظنی تشریحات کا آغاز کیا اور اس طرح انہوں نے ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھول دیا جس کے ذریعہ اسلامی دنیا میں بڑے بڑے زلزلے آئے اور ایک عرصہ دراز تک اسلام کے سورماؤں کو خسارہ ادا کرنا پڑا، یہاں تک کہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) نے ان کے اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ باطنیوں کی تشریحات کے بعض اور نمونے آپ بھی ملاحظہ کریں:

''نبی اس ذات کا نام ہے جس پر قوت قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو۔ جبریل کسی ہستی کا نام نہیں محض فیضان کا نام ہے معاد سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس آجاتا ہے۔ جنابت سے مراد افشائے راز ہے۔ غسل سے مراد تجدید عہد، طہارت سے مراد مذہب باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے برأت، صلوٰۃ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت۔ زکوٰۃ سے مراد اہل استعداد وصفا میں اشاعت علم۔ روزہ سے مراد افشائے راز سے پرہیز واحتیاط۔ حج سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے جنت علم باطن، جہنم علم ظاہر۔ کعبہ خود نبی کی ذات ہے۔ باب کعبہ سے مراد حضرت علی کی ذات، قرآن مجید میں طوفان نوح سے مراد علم کا طوفان ہے جس میں اہل شبہات غرق کردیئے گئے۔ آتش نمرود سے مراد نمرود کا غصہ ہے نہ کہ حقیقی آگ۔ ذبح سے مراد جس کا حضرت ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا بیٹے سے عہد لینا۔ یاجوج ماجوج سے مراد اہل ظاہر ہیں عصائے موسیٰ سے مراد ان کی دلیل اور حجت ہے'' وغیرہ۔

(ماخوذ از تاریخ دعوت وعزیمت مرتبہ سید ابوالحسن علی ندوی بحوالہ قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الدیلمی یمانی زمانہ تالیف ۷۰۷ھ)

اس واقعہ سے ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ تاریخ اسلام میں ایسے لوگوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے، جو قرآنی الفاظ ومصطلحات پر تیشہ زنی کرکے اپنی اجتہادی بالغ نظری کا طلسم باندھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اسی طرح تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ محدثین، مفسرین، فقہاء اور علماء ہر عہد میں اسلام کے تحفظ ودفاع کے لئے آہنی قلعہ بنتے رہے ہیں۔ ان تجدد پسندوں سے ہر محاذ پر مقابلہ کیا ہے جس کا سلسلہ آج بھی بدستور قائم ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

لہٰذا آج ہمارے زمانے میں کوئی دانشور یہ آواز اٹھائے کہ:

''لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنادیا گیا رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرادیا گیا عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے لئے کئے گئے دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا۔'' (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۱۱-۱۲)

اور پھر خطیبانہ انداز میں وہ لفظ الٰہ کی آزادانہ تشریح اس طرح پیش کرے کہ:

''حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد واعانت، خبر گیری وحفاظت اور استجابت دعوات جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سررشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیق اور انتظامی قوتوں سے جاملتا ہے (صفحہ ۳۴) یہ اقتدار نا قابل تقسیم ہے (صفحہ ۳۵) جب تمام اقتدار ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے تو لامحالہ الوہیت بھی بالکلیہ اسی

فرماں روا کے لئے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری فریاد رسی کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی و ناصر اور ولی و کارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے (صفحہ ۳۵) یقیناً حاکم و آمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہئے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں'' وغیرہ۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۳۶)

تو نتیجہ کے طور پر اسی تاریخی تسلسل ذہنی کی ایک ارتقائی شکل ہمارے سامنے آتی ہے جس کی نشان دہی کی جا چکی ہے علاوہ ازیں مذکورہ بالا اقتباس میں اسماعیلی خیالات کی وہ گونج بھی پائی جاتی ہے جس نے کم و بیش ڈیڑھ سو سال سے ہند و پاک کے مسلمانوں میں انتشار و افتراق کا طوفان برپا کر رکھا ہے اور آج بھی اس کے مضر اثرات سے سواد اعظم کو محفوظ رکھنے کے لئے علمائے اسلام کو دفاعی تدبیر بروئے کار لانی پڑتی ہیں اس حقیقت کو جان لینے کے بعد آپ دوبارہ مودودی صاحب کے اس بیان کو ملاحظہ کریں جس میں دور اول اور دور آخر کی بلاوجہ اور غیر ضروری تخصیص و تخصیص ہے تو اندازہ ہوگا کہ وہ جسے الٰہ سمجھ رہے ہیں وہ دراصل لا ہے اور جو ان کا لا ہے ری صحیح معنوں میں الٰہ ہے ورنہ مودودی صاحب کو یہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ:

''اس مضمون میں کوشش کروں گا کہ چاروں اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کردوں اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو''

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۱۳)

ثبوت کے اس اہتمام و التزام کا دعویٰ غمازی کر رہا ہے کہ مودودی صاحب اسی دور آخر کے سرمایہ علمی کا آسرا لگائے ہوئے ہیں جو ان کے نزدیک لا بن چکا ہے اور اپنے ایجاد کردہ الٰہ سے انہیں کوئی تقویت میسر نہیں اس سے بڑھ کر ذہنی بے چارگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ''رعنائی خیال'' تضاد بیانی کا شکار ہو جائے! اب ان سے کون دریافت کرے کہ!.....

ع ''تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی''

اس سوال کا مدلل، جامع اور مبسوط جواب عزیز القدر مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ نے اپنی معرکۃ آراء تصنیف ''اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب'' میں پیش کیا ہے جو اس وقت میرے سامنے ہے۔ بادی النظر میں مولانا کی تصنیف مودودی صاحب کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' کی ایک اصطلاح الٰہ کی تفصیلی بحث پر مشتمل ہے لیکن اہل نظر سے یہ بات مخفی نہ رہے گی کہ الٰہ کی تشریحات و توضیحات کے ذیل میں دوسری اصطلاحوں (رب، عبادت اور دین) کی بھی گرہ کشائی کر دی گئی ہے علاوہ ازیں مولانا کی مذکورہ تصنیف سے مودودی صاحب کی ہر اس تحریر کا جواب حاصل کیا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے الٰہ، رب، عبادت، دین، کفر اور شرک وغیرہ جیسی اصطلاحوں کے افہام و تفہیم کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے ہٹ کر گفتگو کی ہے اس اعتبار سے مولانا کی یہ تصنیف اسلام کی بنیادی اصطلاحات کی حقیقت شناسی کے لئے قاموس (Encyclopedia) کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ بات تو بلا تکلف کہی جا سکتی ہے کہ مولانا نے تنقید اور تحقیق کی جس اعلیٰ سطح پر متعلقہ مسائل کا تجزیہ کیا ہے اور مثبت نتائج (Positive Results) دریافت کئے ہیں وہ نہ صرف مودودی صاحب بلکہ تمام دلدادگان جماعت کے لئے دعوت فکر و نظر ہے۔ عام قارئین کے مفاد کے پیش نظر یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب میں اس راز کا بھی انکشاف کر دیا گیا ہے کہ مودودی صاحب جتنے طمطراق کے ساتھ ''لغت اور قرآن'' سے ثبوت پیش کرنے کے دعویدار ہیں اسی قدر لغت اور قرآن دونوں سے بعد بھی رکھتے ہیں نہ تو ان کی لغوی تحقیق'' ہی تحقیقی تقاضہ پورا کرتی ہے اور نہ ''قرآن کا استدلال'' ہی اپنے محل پر ہے اسی طرح انہوں نے ''اہل جاہلیت کے تصور الٰہ'' کا جو مرقع پیش کیا ہے وہ حامد کی ٹوپی محمود کے سر پر رکھنے کے مصداق ہے اور ''الوہیت کے باب املاک'' کے عنوان کے تحت جس منطقی ربط پر ان کا کمال اصرار ہے اس کے غیر منطقی ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں اس کے علاوہ ''اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب'' میں بعض نئے عنوانات بھی نظر آتے ہیں مثلاً ''مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی جائزہ'' ــــ ''مودودی صاحب کی پیش کردہ آیات قرآنی کا صحیح و مستند ترجمہ و تفسیر'' ــــ ''مودودی صاحب کے خیالات کا اجمالی جواب'' ــــ اور آخر میں ماخذ کے نام

سے فہرست کتب (Bibliography) بھی شامل ہے جو مذکورہ تصنیف کے باوزن اور باوقار ہونے کا یقین دلاتی ہے مذکورہ بالا تمام عنوانات کا سنجیدہ اور غائر مطالعہ اس صراط مستقیم پر چلنے کی ترغیب دلاتا ہے جسے مستحکم کرنے کے لئے قرآن حکیم نازل کیا گیا، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے [illegible] سالہ عہد رسالت میں طرح طرح کی اذیتیں گوارہ فرمائیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے ایثار و قربانی کی حیرت انگیز نمونے پیش کئے، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالی نے سرفروشی کی منزلیں اختیار کیں اور علماء ہمیشہ برسرپیکار رہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا مدنی صاحب کی مذکورہ تصنیف نہ صرف ان کی تبحر علمی اور دیدہ وری کی آئینہ دار ہے بلکہ اسلام سے گرویدگی کے نتیجے میں اس فعالیت (Dynamism) اور جرأت و عمل کو بھی نمایاں کرتی ہے جو انہیں اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا ہے۔

محدث اعظم اکیڈیمی کے اشاعتی پروگرام میں مودودیات کی چھان بین کا یہ دوسرا عملی پروگرام ہے اس سے قبل "دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ" کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں جو ملک کے مختلف گوشوں میں توقع سے زیادہ مقبول ہوئے اب امید کی جاتی ہے کہ اکیڈیمی کا یہ دوسرا تحفہ "اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب" جسے بلاشبہ اسلام کے تنقیدی ادبیات میں ایک منفرد مقام حاصل ہے، کو بھی مقبولیت عامہ نصیب ہوگی۔

سید حسن مثنیٰ انور

"کاشانہ" ۱۹ فروری ۱۹۹۶ء

ڈائرکٹر

محدث اعظم اکیڈیمی

کچھوچھا شریف

ضلع فیض آباد

<<<<   >>>>

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مودودی صاحب کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس، طبع چہارم، جس میں الٰہ، رب، عبادت، دین کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ خود مودودی صاحب نے مذکورہ الفاظ کی تشریح کے سلسلے میں اپنی اس کتاب پر ان لفظوں میں بڑے اطمینان اور بھروسے کا اظہار کیا ہے!

"اگرچہ میں اس سے پہلے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لئے کافی ہے اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح سے اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ لغت اور آیات قرآنی سے استشہاد کے بغیر لوگ میری ہر تشریح کو میری ذاتی رائے سمجھتے ہیں۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۳)

"اس مضمون میں کوشش کروں گا کہ ان چاروں اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کردوں اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو۔"

(ایضاً صفحہ ۱۳)

اس لئے محاکمہ[۱] کے لئے میں نے اسی کتاب کا انتخاب کیا ہے لیکن میری ترتیب یہ رہے گی الٰہ، عبادت، رب، دین ان شاء اللہ تعالی۔ پیش نظر کتاب صرف لفظ الٰہ کی تحقیق و تعبیر سے متعلق ہے ـــــ اس مقام پر ان حضرات سے میری گزارش ہے جو "مودودی تنظیم" کی ظاہری فسوں کاری کا شکار ہو گئے ہیں وہ میری تحریر کو شروع سے آخر تک "جماعتی تعصب" سے الگ ہو کر

[۱] اپنے محاکمہ میں جہاں کہیں میں نے "بنیادی اصطلاحیں" یا "قرآن کی بنیادی اصطلاحیں" لکھا ہے وہاں بھی "کتاب مذکور" مراد ہے۔

پوری لمانیت قلب کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور پھر جو ان کا ضمیر فیصلہ کرے اس کو مان لیں۔

اور یہ بھی گزارش کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ کسی شخصیت کا اس وقت تک صحیح مطالعہ ممکن نہ ہوگا جب تک کہ پہلے اس کے اعتقادی محرکات'' پھر ان کے کھرے کھوٹے کو اچھی طرح نہ سمجھا جائے۔ صرف کسی کی ''عملی حرکت'' کو دیکھ کر اس سے متاثر ہو جانا کوئی دانشمندانہ رویہ نہیں اسی غلط طرز عمل کو دین کی خدمت سے بھی تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ آگے چل کر کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے ـــــ غور فرمایئے کہ جن عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کا علمائے کرام برسہا برس سے ابطال کرتے آئے ہوں انہی باطل نظریات کو موجودہ دور میں اگر کوئی شاطر انسان نئے لب ولہجہ میں پیش کرے تو وہ حق کیسے ہو جائیں گے؟ قالب کے بدلنے سے کہیں قلب کی نجاست بھی دور ہوتی ہے؟ ـــــ میرا خیال ہے کہ میری باتیں کو حق کی خوش عقیدوں پر بھی کیوں نہ ہوں لیکن ان لوگوں کے لئے موثر نہ ہوگی جو بخیال خود کسی کے مقلد نہیں اور نہ کسی کی تقلید کرنے کے لئے تیار ہیں نیز جو اپنے گمان میں بہت بیدار شعور رکھتے ہیں، باایں ہمہ مودودی صاحب کے ایسے ذہنی غلام ہیں کہ ان کی ہر ہر بات کو منزل من السماء سمجھتے ہیں جن کے خیالات کو مجروح ہوتا دیکھ کر ان کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور وہ مودودی صاحب کی وکالت کے لئے پورا زور دماغ صرف کر ڈالتے ہیں، اور ان کی حمایت میں اسلاف متقدمین ومتاخرین کے جلیل القدر ائمہ اور عظیم المرتبت صوفیہ کی تنقیص بنام تنقید سے بھی نہیں چوکتے ـــــ پھر بھی ان کے لئے میری نیک تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کانوں کو حق سننے، دماغ کو حق سمجھنے اور دل کو حق اپنانے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ
کچھوچھا شریف۔ ضلع فیض آباد
(یو۔پی)

حامدا و مصلیا و مبسملا

الا لا الٰہ الا الا، الالٰہ

إلٰہ

لغوی تحقیق:

الالٰہ معبود (مصباح اللغات) .... اِلٰہ بالکسر علی فعال پرستیدہ شدہ، بمعنی مفعول مثل امام بمعنی ماموم وموتم بہ (صراح)۔ الٰہ جس کا حرف اول مکسور ہے فعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی معبود جیسے امام بمعنی ماموم ومقتدا .... اِلٰہ بالکسرو بالف غیر مکتوب بعد لام پرستیدہ شدہ (منتخب اللغات) .... الٰہ اس کے پہلے حرف پر زیر ہے اور لام کے بعد ایک الف ہے جو لکھنے میں نہیں آتا اس کا معنی ہے معبود .... اصلش الٰہ است بروزن فعال بمعنی معبود (تبیان) ..... اس کے (لفظ اللہ کی) اصل الٰہ ہے جو فعال کے وزن پر ہے ''معبود'' کے معنی میں ہے .... الٰہ پرستیدہ بمعنی مالوہ است وہر پرستیدہ الٰہ باشد نزد پرستندہ آں (منتہی الارب) ..... الٰہ پرستیدہ کو کہتے ہیں یہ بمعنی مالوہ ہے یعنی اس کا معنی معبود ہے اور ہر پرستش کیا ہوا اپنے پرستار کے نزدیک الٰہ ہے .... أصله إله كفعال بمعنى مالوه و كل ما اتخذ معبودة اله عند متخذه (قاموس) اس کی یعنی اللہ کی اصل الٰہ بروزن فعال بمعنی مالوہ (معبود) ہے اور ہر وہ جس کو معبود بنالیا گیا ہو وہ اپنے معبود بنانے والے یعنی اپنے پرستار کے نزدیک الٰہ ہے ..... الاله في الأصل يقع على كل معبود ثم غلب على المعبود بحق واشتقاقه من اله الهة والوهة والوهية بمعنى عبد ومنه تأله واستاله (بیضاوی شریف) الٰہ کا دراصل ہر معبود پر اطلاق ہوتا رہا ہے پھر معبود برحق کے لئے اس کا استعمال غالب ہوگیا یہ الٰہ الٰہۃ والوہۃ والوہیۃ سے مشتق ہے الٰہ کے معنی عبد (عبادت کی) ہے اسی سے تالہ معبود بن جانا اور استالہ ''معبود سے مشابہ ہونا'' ہے۔

<u>الف باء:</u>

یہ ہو کہ بعض نے بیضاوی کے حوالے سے عرض کیا ہے کہ علامہ بیضاوی کے نزدیک مختار

علامہ بیضاوی کے انداز نگارش اور طریقہ تحریر کے سمجھنے والوں پر مخفی نہیں۔ حاشیہ بیضاوی سے بھی

میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے حاشیہ کے الفاظ یہ ہیں اختار المصنف منها انه من اله

بفتح الهمزة أى عبد فاله بمعنى مالوه اى معبود ككتاب بمعنى مكتوب۔ اختیار کیا

مصنف نے ان میں[1] سے یہ کہ وہ الہ بفتح الہمزہ سے مشتق ہے جس کا معنی عبد (عبادت کی) ہے۔

تو الہ معنی میں مالوہ (معبود) کے ہے جیسے کتاب بمعنی مکتوب .... الاله من السماء الأجناس

يقع على كل معبود بحق او باطل ثم غلب على المعبود بالحق كما ان النجم اسم

لكل كوكب ثم غلب على الثريا (مدارک)۔ لفظ الہ اسماء اجناس میں سے ہے جس کا اطلاق

ہر معبود پر ہوتا رہا ہے خواہ حق ہو یا باطل پھر معبود برحق پر استعمال کا غلبہ ہو گیا جیسے کہ نجم ہر ستارے کا

نام ہے پھر اس کا غالب استعمال ثریا کے لئے ہو گیا۔ .... امام لغت صاحب کشاف زمخشری نے

بھی الہ کی بعینہ یہی اور قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ تشریح کی ہے (یعنی جو "الفاظ و تشریح"

مدارک کے ہیں)......... تھوڑی دور آگے چل کر اسی مدارک میں ہے وقيل هو من قولهم اله

ياله (الها اذا عبد فهو مصدر بمعنى مالوه اى معبود كقوله هذا خلق الله اى مخلوقه

کہا گیا ہے کہ وہ (الہ) ان کے قول الہ یالہ الہا اذا عبد (جب کہ عبادت کی) سے مشتق ہے تو وہ

مصدر ہے مالوہ یعنی معبود کے معنی میں جیسے ان کا یہ قول خلق اللہ "بمعنی" اللہ کی مخلوق"..... الحاصل

الہ یا تو الہ یالہ الوہیۃ کا مصدر ہے یا اسم جنس دونوں صورتوں میں اس کے معنی معبود ہیں پہلی صورت

میں لفظ الہ کا الہ، یالہ، الہۃ سے مشتق ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ الہ کو معنی مصدری سے نکال کر "معنی

مفعولی میں لے لیا گیا، گویا[2] الہ بمعنی مالوہ مشتق" ہے الہ، یالہ، الہۃ سے .... اور دوسری

[1] لفظ اللہ کے اصل اشتقاق کے متعلق اقوال مختلف ہیں ہے۔

[2] گویا اس لئے کہا ہے کہ الہ کو جائے معنی مصدری مادہ کے معنی میں استعمال کرلینا "منقول عرفی" ہے نیز مذہب مختار پر مصادر سے افعال مشتق ہوتے ہیں اس کے برعکس نہیں۔

صورت میں یعنی اسم جنس ہونے کی صورت میں اس کے اشتقاق کا مطلب یہ ہوگا (مشتق منہ کوئی

بھی ہو) کہ وہ ایک اصل سے ماخوذ ہے، اس اصل میں قدرے قلیل تصرف کر کے (تکمیل)

الہ کا معنی معبود ہی ہے اس خیال کی تائید مودودی صاحب کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

"ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ الہ یالہ الہۃ کے

معنی عبادت (پرستش)[1] اور الہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے۔"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۵-۱۶)

مودودی صاحب کے ترجمہ قرآن کے بھی بعض مقامات میری نظر سے گزرے ہیں

جہاں انہوں نے الہ کا ترجمہ معبود ہی کیا ہے۔

<u>لفظ الہ کا مادہ:</u>

یعنی وہ کون کون سے حروف اصلیہ ہیں جن سے اس لفظ کی ترکیب ہے؟ اس سلسلے میں

دو قول نظر سے گزرے:

ا) اس کا مادہ ا، ل، ہ ہے اس صورت میں یہ کلمہ الہ شروع سے رہا۔

ب) اس کا مادہ و، ل، ہ ہے اس صورت میں الہ پہلے ولاہ تھا واو کو ہمزہ سے بدل دیا الہ

ہو گیا۔

پہلی صورت کی طرف ان اقوال کے ضمن میں اشارہ گزر چکا جو الہ کو الہ یالہ الہۃ سے

ماخوذ مانتے ہیں دوسری صورت کی طرف بیضاوی نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

او من وله إذا تحير وتخبط عقله وكان اصله ولاه فقلبت الواو همزة

لاستثقال الكسرة عليها استثقال الضم فى وجوه فقيل الاه كاعاء واشاح یا "لفظ الہ"

ولہ سے مشتق ہے (ولہ اس وقت بولا جاتا ہے) جب کہ کوئی بہت متحیر ہو اور اس کی عقل زائل

ہونے کے قریب ہو جائے (اس صورت میں) اس کی (یعنی لفظ الہ کی) اصل ولاہ تھی واو کو ہمزہ

[1] قوسین کے درمیان کا یہ لفظ بھی مودودی صاحب ہی کا ہے۔

کہہ دیا گیا اس لئے کہ کسرہ (زیر) واو پر اسی طرح ثقیل ہے جس طرح کی وجوہ میں (واو پر) ضمہ (پیش) ثقیل ہے۔ تو الاہ کہہ دیا گیا جیسے کہ اعاء (جو دراصل وعاء تھا) اور اشاح (جو دراصل وشاح تھا) بیضاوی نے اپنے نقطۂ نظر کے پیش نظر "اقوال مرجوحہ" کے ضمن میں اس کو رکھا ہے اور اس پر ایک نقص بھی وارد کیا ہے جس کے جواب کی طرف حاشیہ بیضاوی نے اشارہ کیا ہے۔ اس سوال و جواب پر بحث ونظر ہماری گفتگو سے باہر ہے، ہمیں صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ کچھ ارباب زبان وبیان ایسے بھی ہیں جو دوسرے قول کو اپنائے ہوئے ہیں لہٰذا لفظ الٰہ کی تحقیق لغوی کے وقت اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اور ان دونوں اقوال کی موجودگی میں یہ کہنا کہ "اس لفظ کا مادہ ال ہ ہے" جیسا کہ مودودی صاحب نے فرمایا (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۳) ہے۔ صداقت میں گہری نگاہ کی نشاندہی نہیں کرتا۔

لفظ الٰہ کا ماخذ:

و، ل، ہ مادہ ہونے کی صورت میں الٰہ ولہ یلہ ولہا سے ماخوذ ہوگا جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ گزر چکا ہے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ اس قول کی بنیاد پر کہ اس کا مادہ ا، ل، ہ ہے۔ اس کے مشتق منہ کے متعلق بیضاوی نے پانچ اقوال شمار کرائے ہیں۔

۱) الٰہ الٰہۃ الوہیۃ بمعنی عبد (عبادت کی)

۲) الہ اذا تحیر اذا لعقول تتحیر فی معرفته ای[۱] فی معرفة المعبود ای الذی یعبد فاتخذ الناس الهة شتی وزعم ان الحق ما هو علیه حیران وسرگشتہ ہوا اس لئے کہ عقل اس کی معرفت میں یعنی الذی یعبد (جس کی پرستش کی جائے) کی معرفت میں حیران وسرگشتہ ہے جب ہی تو لوگوں نے بہت سے معبود بنا لئے اور سمجھ بیٹھے کہ معبود برحق وہی ہے۔

۳) الهت الی فلان ای سکنت الیه لان القلوب تطمئن بذکره میں نے اس سے

[۱] یہاں سے "حاشیۂ بیضاوی" کی عبارت ہے۔

سکون حاصل کیا اس لئے کہ قلوب اس کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔

۴) اله اذا فزع من امر نزل الیه والهه غیره اجاره اذ العائذ یفزع الیه وهو یجیره حقیقة او بزعمه کسی تکلیف کے نزول سے گھبرایا اور دوسرے نے اس کو پناہ دی۔ اس لئے کہ پناہ چاہنے والا معبود کی پناہ ڈھونڈھنے جاتا ہے اور اس کا معبود اس کو پناہ دیتا ہے خواہ حقیقۃً (اگر معبود برحق ہو) یا اس کے گمان میں (اگر باطل ہو)۔

۵) اله الفصیل اذا ولع بامه اذا العباد مولعوف بالتضرع الیه فی الشدائد اونٹنی کا بچھڑا ہوا بچہ ماں کو پاتے ہی اس سے لپٹ گیا اس لئے کہ عبادت کرنے والے تکالیف میں تضرع وزاری کے ساتھ والہانہ طور پر اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

ان پانچوں اقوال کو مودودی صاحب نے بھی اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۵" میں نقل کیا ہے اس اضافے کے ساتھ الٰہ الرجل الی الرجل اتجہ الیہ لشدۃ شوق آدمی نے دوسرے کی طرف شدت شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

لفظ الٰہ کی اس تحقیق سے ہر اہل فہم پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ "معبود" کے لئے الٰہ کا لفظ کسی تصور کی بنا پر نہیں بولا جاتا بلکہ معبود پر لفظ الٰہ کے اطلاق کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ الٰہ جس زبان کا لفظ ہے اس زبان میں اس کی "وضع اولی" ہی معبود کے لئے کی گئی ہے جیسے کہ "رجل" کی وضع آدمی کے لئے اور فرس کی گھوڑے کے لئے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ اس لفظ کی وضع ابتداءً کو معنی مصدری کے لئے کی گئی لیکن نقل عرفی کے طور پر اس کا استعمال معبود کے لئے کیا جانے لگا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس پر "لغات عربیہ" شاہد ہیں۔ لہٰذا اب خواہ کوئی کسی کو شعوری طور پر الٰہ کہے یا غیر شعوری طور پر اپنے کو الٰہ کہے یا دوسرے کو، خود کہے یا کسی سے کہلائے کسی مقام پر لغوی صداقتوں پر آنچ نہیں آ سکتی اور ہر جگہ الٰہ کا معنی معبود ہی رہے گا۔ لہٰذا جس طرح رجل کہہ کر آدمی، فرس کہہ کر گھوڑا۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ کتاب کہہ کر مکتوب، خلق کہہ کر مخلوق اور امام کہہ کر ماموم مراد لیا جاتا ہے اسی طرح الٰہ بول کر مالوہ یعنی معبود مراد لیا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی صورت سامنے

دو ایک ہی طرف سے بے جا تنقید سے نہیں اس پر باقی الفاظ کو قیاس کر لیجئے ان تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئیے مودودی صاحب کی نظر کی اس گہرائی کو بھی ملاحظہ کرتے چلئے جو انہیں "علم لغت" میں حاصل ہے لفظ الٰہ کے متعلق لکھتے ہیں

"اس لفظ کا مادہ ا ل ہ ہے اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے"

(کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

ظاہر ہے کہ اس تحریر کا منشا ہرگز یہ نہیں کہ مودودی صاحب ان تمام الفاظ و کلمات کا احصار و شمار کرنا چاہتے ہیں جن کا مادہ ا ل ہ ہو بلکہ ان کا مقصود صرف اتنا ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کر دی جائے جو لفظ الٰہ کا ماخذ بن سکتے ہوں اور جنہیں مختلف اقوال کی بنا پر اس کا ماخذ قرار دیا گیا ہے لیکن...... آپ کی حیرت کی انتہا نہ ہوگی جب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مودودی صاحب نے تمام ماخذوں میں "لاہ یلیہ لیہا ولاہا" کو بھی شامل کیا ہے، حالانکہ نہ تو لاہ کا مادہ ا ل ہ ہے اور نہ الٰہ اس سے مشتق ہے۔ کسی بھی پنج گنج اور علم الصیغہ پڑھنے والے معمولی طالب علم سے دریافت کر لیجئے وہ بھی کہہ دے گا کہ لاہ دراصل لیہ تھا جو تعلیل کے بعد لاہ ہو گیا تو لاہ کا مادہ ل ی ہ ہوا۔ شواہد لغات بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

۱) لاہ یلیہ لیہا چھپنا، بلند ہونا (مصباح اللغات)۔ لغت میں اس کا ذکر اس مقام پر کیا گیا ہے جو ان کلمات کے ذکر کے لئے مخصوص ہے جن کا مادہ ل ی ہ ہے المنجد میں بھی ایسا ہی ہے۔

۲) لاہ دراصل لفظ اللہ است ماخوذ از لیہ بمعنی پوشیدن و در پردہ رفتن (غیاث اللغات)۔ یعنی لاہ در حقیقت لفظ اللہ ہے جو لیہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی پوشیدگی اور چھپنا ہے لاہ لیہ سے ماخوذ ہے اور ظاہر ہے کہ لیہ کا مادہ ل ی ہ ہے۔

۳) لیہ پوشیدہ شدن (صراح)۔ یعنی لیہ کے معنی چھپنا ہے صراح میں اسی کے تحت لاہ کا ذکر کیا گیا ہے جو یہ واضح کر رہا ہے کہ لاہ کا مادہ ل ی ہ ہے۔

۴) ل ی ہ (لاہ) (منتہی الادب)۔ اس لغت نے تو اور بھی واضح کر دیا لاہ تو یہیں کے

آجائے کہ حقیقت لغوی[1] و عرفی[2] مراد نہ لی جا سکے۔ یا اس کے خلاف مراد لینے پر قرینہ موجود ہو تو مجاز مراد لیا جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اس معنی مجازی کو لفظ الٰہ کا معنی حقیقی نہ کہا جائے گا اب رہ گئی یہ بات کہ لفظ الٰہ کے کسی ماخذ کے معنی کو اس کے معنی سے کیا مناسبت ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے اس سلسلے میں جو بھی مناسبت بیان کی جائے گی اس سے زیادہ سے زیادہ صرف یہی پتہ چلے گا کہ واضع نے جب پہلے پہل لفظ الٰہ کی معبود کے معنی میں وضع کرنی چاہی ہے تو اس کے سامنے لفظ الٰہ کے ماخذ کے معنی اور اس کے معنی کے مابین جس کے لئے لفظ الٰہ کی وضع مقصود تھی ایک معنوی مناسبت تھی اس مناسبت معنوی کو واضع کی وضع کی ایک علت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن وضع کے بعد لفظ الٰہ کا جو اطلاق معبود پر ہو رہا ہے اس مناسبت کو اس اطلاق اور "بولے جانے" کا سبب[3] قرار دینا یا تو علم لغت سے سادہ لوحی ہونے کی دلیل ہے یا نہایت فریب دینا مقصود ہے یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مناسبت معنوی جو الٰہ اور اس کے ماخذ کے مابین واضع کے پیش نظر تھی اس کو لفظ الٰہ کا معنی نہیں قرار دیا جا سکتا لہٰذا الٰہ بول کر وہ یا اسے بول کر الٰہ سمجھنا صحیح نہیں۔ ...لہٰذا...الٰہ بول کر حاجت روا...یا...پناہ دہندہ...یا...سکون بخش...یا بالادست...یا...اختیارات اور طاقتوں کا مالک...یا...ساری خلق کا مشتاق الیہ سمجھنا اسی طرح غلط ہے جس طرح کہ ان سے کسی لفظ کو بول کر الٰہ سمجھنا غلط ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو الٰہ ہوگا وہ حاجت روا بھی ہوگا پناہ دہندہ بھی، سکون بخش بھی ہوگا بالادست بھی، اختیارات و توانائیوں کا مالک بھی ہوگا اور ساری خلق کا مشتاق الیہ بھی وغیرہا۔ لہٰذا ہم جس کو الٰہ کہیں گے ہمارے نزدیک وہ ان تمام صفات سے موصوف ہوگا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اب ہم جس کو حاجت روا یا پناہ دہندہ وغیرہ کہہ دیں تو اسے الٰہ کہہ رہے ہیں الحاصل ہر الٰہ (حق ہو یا باطل اپنے پرستار کے نزدیک) حاجت روا ہے لیکن ہر حاجت روا (اپنے ماننے والوں کے نزدیک) الٰہ نہیں یعنی

---

[1] یعنی معبود، جب کہ الٰہ اسم جنس ہو۔

[2] یعنی معبود جب کہ الٰہ دراصل مصدر ہو۔ [3] یہ مجاز لغۃً بھی مجاز ہوگا اور عرفاً بھی۔

[3] جیسا کہ مودودی صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۵۔

درمیان لکھنے سے پہلے اس کا مادہ ل ی و تحریر کر دیا۔

۵) لاہ ولیہ لیہا تستر (قاموس)۔ یعنی پوشیدہ ہوا..... اس لغت نے بھی اس کا ذکر اسی مقام پر کیا ہے جہاں ان کلمات کا ذکر مقصود تھا جن کا مادہ ل ی ہ ہو۔

ان شواہد سے تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر لیجئے اور صرف "لاہ ولیہ" کے لفظ ہی پر غور فرما لیجئے۔ لاہ ماضی ثلاثی مجرد کا صیغہ ہے۔ ماضی ثلاثی مجرد کے تمام حروف اصلیہ کا متحرک ہونا ضروری ہے جیسا کہ مبتدی پڑھنے والا بھی جانتا ہے لاہ کا درمیانی حرف یعنی الف ساکن ہے اسی سے پتہ چل گیا کہ یہ الف اس کے مادہ میں نہیں ہے بلکہ کوئی اور حرف ہے جس کو کسی قاعدہ کی بنا پر الف کر دیا گیا ہے اور یہ بھی متعین ہے کہ وہ لفظ "واؤ" ہے یا "یاء" اس لئے کہ واو ری ہی صرفی قاعدہ کے تحت کہیں کہیں الف سے بدل دی جاتی ہے۔ ولیہ نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ واؤ نہیں جس کو بدلا گیا ہے بلکہ ی ہے ورنہ ولیہ نہ ہوتا بلکہ "یلوہ" ہوتا لہذا ثابت ہو گیا کہ لاہ کی اصل لیہ ہے جس سے پتہ چلا کہ اس کا مادہ ل ی ہ ہے اور جو ثلاثی مجرد کا مادہ ہوتا ہے وہی اس کے مصدر کا بھی مادہ ہوتا ہے لہذا جو لاہ کا مادہ ہے وہی اس کے مصدر لاہ کا بھی مادہ ہوا یعنی ل ا ی ہ..... ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ کیا یہ نہیں ممکن ہے کہ لاہ میں درمیانی حرف ہمزہ ہو جو الف کر دیا گیا، میں عرض کروں گا یہ وہی کہے گا جو صرفی قواعد سے نابلد ہو۔ اس لئے کہ اگر بالفرض اس کے درمیانی حرف کو ہمزہ مان لیا جائے تو اس کو ہمزہ ہی رکھنا پڑے گا اس کو الف کرنے کا یہاں کوئی قاعدہ نہیں۔ لہذا لاہ ولیہ کو اب لئہ یلئہ "یالہ یلہ کہنا پڑے گا۔

اس مقام پر اتنی تفصیل و تشریح کی ضرورت نہ تھی باوجود اس کے میں نے بڑی تفصیل سے کام لیا تا کہ ایک معمولی طالب علم بھی اس حقیقت کو سمجھ لے کہ مودودی صاحب اپنے جس علم سے اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں وہ کس قدر ناقص اور ناقابل اعتماد ہے جس کو نظر اعتبار سے دیکھنا کم تعلیم یافتہ یا عوام کے لاشعور ہونے کی دلیل ہے۔ اب آیئے مسئلہ کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے وہ یہ کہ الہ لاہ سے مشتق نہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی تناسب ہی نہیں ایک اصطلاحی زبان میں "مہموز فا" اور دوسرا "معتل عین" (اجوف) ایک کا مادہ ال ہ (یعنی ہمزہ، لام،

ہ) تو دوسرے کا مادہ ل ی ہ (یعنی لام، یاء، ہاء) ہے ایسے دو کلموں کے مابین اشتقاق کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی اس کی تفصیل یہ ہے اشتقاق کی تین صورتیں ہیں[1]۔

۱) اشتقاق صغیر:

یہ اس وقت پایا جائے گا جب کہ مشتق اور مشتق منہ کے مابین حروف اصلیہ اور ترتیب دونوں میں تناسب ہو جیسے ضرب ضرب سے مشتق ہے..... اور ظاہر ہے الہ اور لاہ کے درمیان ایسا کوئی تناسب نہیں ایک ال ہ سے مرکب ہے اور دوسرا ل ی ہ سے۔

۲) اشتقاق کبیر:

اس کے تحقق کی صورت یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ دونوں کے لفظوں کے مابین تناسب ہو ترتیب میں نہ ہو مثلاً جبذ جو جذب سے مشتق ہے الہ اور لاہ میں یہ اشتقاق بھی نہیں اس لئے کہ ایک کے مادہ میں ہمزہ ہے اور دوسرے کے مادہ میں یاء۔ لہذا لفظوں میں بھی پورا تناسب نہیں۔

۳) اشتقاق اکبر:

اس کی صورت یہ ہے کہ حروف و ترتیب کسی میں بھی مشتق و مشتق منہ کے مابین تناسب نہ ہو بلکہ صرف مخرج میں تناسب ہو بشرطیکہ اکثر حروف اصلیہ میں اشتراک ہو مثلاً نعق جو مشتق ہے نہق سے۔ ان دونوں مشتق و مشتق منہ کے مابین ن ق مشترک ہے رہ گئے ع اور ہ یہ دونوں "حروف حلقی" سے ہیں دونوں کا مخرج قریب قریب ایک ہے اس اشتقاق کے لئے اسی قدر تناسب کافی ہے..... الہ اور لاہ میں ایسا بھی کوئی اشتقاق نہیں اس لئے کہ یہ دونوں گو اکثر حروف اصلیہ یعنی ل ہ میں مشترک ہیں لیکن ایک میں ہمزہ دوسرے میں یاء ہے اور یہ دونوں مخرج کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں۔

اس تشریح و توضیح کے بعد یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ لاہ کسی صورت میں بھی الہ کا ماخذ

---

[1] اتنا خیال رہے کہ تینوں صورتوں میں مناسبت معنوی تو ناگزیر ہے۔

نہیں۔ شواہد لغات اور صرفی قواعد کی نزاکتوں کو نظر انداز کر کے بھی آپ محض سطحی طور پر ملاحظہ فرمایئے جب بھی آپ کم از کم اتنا تو کہیں گے کہ الہ مرکب ہے ہمزہ، لام، ہا، سے اور لاہ مرکب ہے، لام، الف، ہا، سے۔ بایں ہمہ ہمزہ اور الف کا جو بنیادی فرق ہے اس کو آپ کیسے نظر انداز کر سکیں گے..... اور اگر آپ اور بھی سطحیت پر اتر آئیں کہ الہ کی ابتداء کو ہمزہ سے ہوئی ہے لیکن دیکھنے میں الف نظر آتا ہے تو میں عرض کروں گا کہ اگر آپ کو حقیقت حال مطلوب ہے تو اپنی آنکھوں پر ''زبان عرب'' کے قواعد و قوانین کی عینک چڑھا کر دیکھئے۔ آپ خود غور فرمایئے کہ

★ حرارت معلوم کرنے والے آلہ سے دودھ کا پانی ناپنا اور دودھ کا پانی ناپنے والے آلہ سے حرارت معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

الحاصل مودودی صاحب کا لاہ کو الہ کا ماخذ بنانا اور ان کلمات میں شمار کرنا جس کا مادہ ال ہ ہو ایک ایسا اجتہاد ہے جو زبان و بیان کے اماموں سے بھی نہ ہو سکا۔ اس بے مثال اجتہاد پر مودودیت نواز حضرات جتنا بھی فخر کریں کم ہے!

مودودی صاحب نے الہ کے معنی اور اس کے ماخذوں کے معانی کے مابین مناسبت معنوی کی تشریح کے لئے چار مقدموں کی تشکیل کی ہے جس میں نمبر ۲ و نمبر ۳ کا اکثر حصہ الہ اور لاہ کے معنوں کے مابین مناسبت کی توضیح میں ہے، اور ظاہر ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ لاہ الہ کا ماخذ نہیں تو مقدمہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کی پوری عمارت زمین پر آرہی ہے۔ اب اگر اس مقدمہ پر مزید بحث و نظر نہ کی جائے جب بھی کافی ہے اس لئے کہ جس بنیاد پر اس عمارت کی تعمیر کی گئی تھی جب وہ بنیاد ہی نہ رہی تو پھر عمارت کہاں سے رہے گی[1]۔ کاش کہ میں اس کو مودودی صاحب کا سہو قرار دے سکتا لیکن میرے سامنے اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ہے یہ کیسا سہو کہ کتاب کے چار ایڈیشن بازار میں آگئے اور آنکھ نہ کھلی ویسے بھی ہم اس بنیاد کو سہواً کیسے تسلیم کر سکتے ہیں جس پر ایک عمارت کی تعمیر کی گئی ہو۔ اس مقام پر کافی تشریح و تفصیل کا مقصود یہ ہے کہ عملی طور پر آئمہ اسلاف کے گرانقدر علمی کو بیکار کہنے والے کا سرمایہ تحقیق نگاہوں کے سامنے آجائے۔

[1] اس تحریر کا مقصود یہ ہے کہ مقدمہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کا مضمون مناسبات معنوی کی تشریحات سے غیر متعلق ہو گیا

مودودی صاحب اور مودودیت نواز تمام حضرات کی خاص توجہ درکار ہے لاہ الہ کی نہیں [بلکہ] لفظ اللہ کی اصل ہے اس سلسلے میں بیضاوی اور اس کے حاشیہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کے بارے میں کہ اس کی اصل کیا ہے بہت سارے اقوال ہیں ان میں سے علامہ بیضاوی نے صرف چار کو اختیار کیا ہے۔

۱) اللہ کی اصل الہ ہے ہمزہ کو حذف کر دیا ال اس کے عوض لائے اور لام کا لام میں ادغام کر دیا اللہ ہو گیا۔

۲) اللہ کی اصل لاہ ہے، شروع میں الف لام لا کر لام کا لام میں ادغام کر دیا اللہ ہو گیا۔

۳) اللہ کی اصل لاہا ہے یہ سریانی لفظ ہے اس کو جب معرب کیا تو آخری الف کو حذف کر دیا اور پھر شروع میں الف لام لا کر لام کو لام میں مدغم کر دیا۔

۴) اللہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ ایک ذات مخصوصہ کا علم ہے اور یہ کسی سے مشتق و ماخوذ نہیں۔

لفظ اللہ کے یہ اصول مذکورہ جن سے بر بنائے اقوال مختلفہ لفظ اللہ مشتق و ماخوذ ہے یعنی الہ، لاہ و لاہا ان کو لفظ اللہ کا ''اصول اماالی'' کہا جائے گا لیکن اس قول کی بنا پر کہ لفظ اللہ الہ سے ماخوذ ہے اور الہ بر بنائے اقوال مختلفہ ان سات[1] امور سے مشتق ہے جن کی طرف اشارہ گزر چکا تو بواسطہ الہ اللہ بھی ان ساتوں امور سے ماخوذ ہوا تو وہ لفظ اللہ کے ''اصول اشتقاقی'' کہے جائیں گے.....

لاہ و لفظ اللہ کی اصل ہے اس سلسلے میں شواہد لغات بغرض ملاحظہ ہوں:

۱) وہم نزد سیبویہ اصل لفظ اللہ، لاہ بودہ از لیہ بالفتح بمعنی پوشیدن و در پردہ رفتن..... لاہ در اصل لفظ اللہ است ماخوذ از لیہ بمعنی پوشیدن و در پردہ رفتن (غیاث اللغات)

۲) لاہ خدائے تعالی لیہ بالفتح در پردہ رفتن (منتخب اللغات)

۳) لیہ پوشیدہ شدن و جوز سیبویہ ان یکون لاہ اصل اسم اللہ تعالی (صراح)

۴) بعضے بر آنند کہ اصلش (اصل اسم اللہ) لاہ است کہ مصدر است بمعنی احتجاب و ارتفاع

[1] یعنی اله الهة، اله اذا تحير، اله اذ فزع، والهت الى فلان، اله الفصيل اله الرجل، وله يله ولها

(تبیان لمولانا عبدالحی الفرنجی محلی)

۵) ل ی ہ (لاہ) اصل است مر جلالہ را نزد سیبویہ (منتہی الارب)

۶) لاہ علیہ لیہا تستر و جوز سیبویہ اشتقاق الجلالۃ منہا (قاموس)

۷) و قیل اصلہ (اصل لفظ اللہ) لاہ مصدر لاہ علیہ لیہا و لاہا (بیضاوی)

ان تمام کتب لغات و تفسیر وغیرہ کی منقولہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے لاہ لفظ اللہ کی اصل ہے نہ کہ الٰہ کی چونکہ ہمیں لفظ الٰہ کی تحقیق مقصود ہے لہٰذا لفظ اللہ کی مزید تحقیق اور اس کے معنی اور اس کے اصول کے معانی کے مابین مناسبات معنوی کی تشریح اس مقام پر غیر ضروری ہے۔ لفظ اللہ سے متعلق مختصری گفتگو صرف اس لئے کر دی گئی تا کہ مودودیت نواز حضرات جو مودودی صاحب کو فہم و ادراک کا جبل عظیم سمجھے ہوئے ہیں ان کے لئے تازیانہ عبرت ہو۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ الہ یا لہ الٰہۃ کے معنی عبادت (پرستش) اور الہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے۔"

(بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۵-۱۶)

خط کشیدہ فقرہ پر خاص توجہ چاہوں گا۔ مودودی صاحب نے اس فقرے کو تحریر فرماتے وقت غالباً اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ وہ الہ یا لہ الٰہۃ کی تحقیق نہیں فرما رہے ہیں بلکہ لفظ الٰہ کی تحقیق کر رہے ہیں الہ یا لہ الٰہۃ کی تحقیق کے ماخذوں کو شمار نہیں کرا رہے ہیں بلکہ الٰہ کے ماخذوں کا احصار فرما رہے ہیں اور الٰہ کے جملہ ماخذوں میں الہ یا لہ الٰہۃ کو بھی ایک ماخذ کی حیثیت سے تحریر کیا ہے اگر بالفرض الہ یا لہ الٰہۃ کسی قول پر الٰہ کا ماخذ نہ ہوتا تو پھر اس کے ذکر کی بھی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ لہٰذا اس مقام پر الہ اذا تحیر، الہ اذا فزع، الہ الرجل الی الرجل، الہ الفصیل، الہت الی فلان کی جو حیثیت ہے بالکل وہی حیثیت الہ یا لہ الٰہۃ کی ہے جس طرح کہ ان سب کے الگ الگ ماخذ ہونے کا ایک احتمال ہے، اسی طرح اس کے بھی ماخذ ہونے کا ایک امکان ہے۔ جس طرح ان سب کا الگ الگ ایک مستقل معنی لغوی ہے اسی طرح اس کا بھی ایک معنی لغوی ہے۔ جس طرح ان

ـے کا اطلاق اپنے معانی پر اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ وہ ان کے معانی لغوی ہیں اسی طرح اس کا [illegible] اطلاق اپنے معنی پر اسی بناء پر ہوتا ہے کہ واضع نے اس کو اس معنی کے لئے وضع کر دیا ہے۔ [illegible]ی خیال رہے کہ ان سارے ماخذوں کو آپس میں ایک دوسرے کا ماخذ نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ [illegible]ب کو بربنائے اقوال مختلفہ لفظ الٰہ کا ماخذ بتایا گیا ہے لہٰذا الہ یا لہ الٰہۃ کو نہ تو ان ماخذوں میں سے [illegible]ی کا ماخذ کہا گیا ہے اور نہ ان ماخذوں میں سے کسی کو اس کا ماخذ قرار دیا گیا ہے لہٰذا ان کے [illegible]بین کسی مناسبت کے اظہار کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... مودودی صاحب کی اس عبارت کا [illegible]ندازہ بالکل اس سے ملتا جلتا ہے کہ کہا جائے "ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ الہ اذا تحیر کے معنی حیرانی و سرگشتگی اور الہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا [illegible]ـے"...... اگر اس عبارت کو اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے مہمل قرار دیا جا سکتا ہے تو اس [illegible]بارت کو بھی اہمال سرائی میں کسی شک کی کیا گنجائش ہے جو مودودی صاحب نے تحریر کی ہے؟ کیا یہ ظاہر نہیں کہ جس طرح الہ اذا تحیر لفظ الٰہ کا ایک ماخذ ہے اسی طرح الہ یا لہ الٰہۃ کو بھی الٰہ کا ایک ماخذ تسلیم کیا گیا ہے لہٰذا اگر مودودی صاحب کی تحریر کی خط کشیدہ عبارت کو ہٹا کر اس مقام پر میری تحریر مذکور کی خط کشیدہ عبارت کو رکھ دیا جائے تو دونوں کی حیثیت بالکل ایک جیسی ہوگی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس مقام پر مودودی صاحب کو صرف یہ چاہئے تھا کہ وہ الٰہ کے معنی (معبود و پرستیدہ) اور اس کے جملہ مذکورہ بالا ماخذوں کے معانی کے مابین مناسبت معنوی کی تشریح کرتے اس صورت میں اتنا ہی کہنا کافی تھا کہ "ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ الٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے۔"

اس صورت میں ان تمام معانی مصدریہ میں تمام ماخذوں کے ساتھ الہ یا لہ الٰہۃ بھی شامل ہو جاتا اور سبھی پر غور کرنے کی دعوت و ترغیب ہو جاتی اور جس طرح ہر معنی مصدری اور معنی الٰہ کے درمیان تناسب کو سمجھانے کے لئے چار مقدمات کی تشکیل کی گئی ہے وہیں ایک مقدمہ کی اور بھی ضرورت ہوتی جس میں معنی الٰہ اور معنی الہ یا لہ الٰہۃ" کے تناسب کی نوعیت کو ظاہر کیا جاتا اور بتایا

جاتا کہ "لفظ الٰہ" الٰہہ" اور الوہیت بمعنی عبادت وعبودیت سے ماخوذ ہے..... پھر مجموعی طور پر سب کے نتیجے کو یوں سامنے لایا جاتا "پس معلوم ہوا کہ معبود کے لئے الٰہ کا لفظ جن تصورات (بربنائے اقوال مختلف) کی بنا پر وضع کیا گیا ہے وہ یہ ہیں پرستش، حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری، بالادستی ان اختیارات اور ان طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہوسکتا ہے انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا..... الحاصل الٰہ وہی ہے جو پرستیدہ ہو، حاجت روا ہو، پناہ دہندہ ہو وغیرہ وغیرہ ان تمام معانی میں پرستیدگی (پرستش) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے کہ الٰہ کو جس سے بھی ماخوذ مانا جائے بہر حال اس کے معنی پرستیدہ ہیں اور اسی معنی کے لئے اس کی وضع کی گئی ہے لہٰذا اگر کوئی کسی کو پرستیدہ تسلیم نہ کرے اور اس کو پرستش کا مستحق نہ سمجھے نیز استحقاق عبادت کے جو لوازمات ہیں "مثلاً معبود کمال کے اس درجہ پر ہو جس کے اوپر پھر کسی درجہ کمال کا امکان نہ ہو یا بلفظ دیگر معبود اپنی ہر صفت میں مستقل بالذات ہو اور اپنی کسی خوبی میں کسی کا محتاج نہ ہو اس کی صفات ازلی وابدی، واجب قدیم، ذاتی ہوں بلفظ مختصر وہ صفات مستقلہ کا حامل ہو" ان سارے لوازمات کی بھی اس کی ذات سے نفی کر رہا ہو تو اب وہ اس کو خواہ حاجت روا کہے یا مشکل کشا، پناہ دہندہ کہے یا معین وناصر، سکون بخش کہے یا بالاتر و بالادست، مالک ومختار کہے یا سب کا مشتاق الیہ، بہر حال اسے اس کا الٰہ نہیں قرار دیا جاسکتا یہ وہ حقیقت ہے کہ شواہد لغات بھی اس کی تائید کر رہے ہیں اور عقل ونقل بھی مودودی صاحب نے جن آیات کو پیش کیا ہے ان میں بھی کوئی آیت ایسی نہیں جو اس حقیقت کے خلاف ہو۔ یہی ساری وہ حقیقتیں ہیں جن پر پوری فنی چابک دستی کے ساتھ مودودی صاحب نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ اگر ان حقائق پر وہ پردہ نہ ڈالتے تو پھر اپنے خالص "فکری رجحانات" کو اسلام اور قرآن کے سر تھوپنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے..... غور تو فرمایئے یہ کتنا بڑا فریب ہے کہ ایک طرف تو مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ

1 اس فقرہ کا معنی عبودیت اور پھر عبودیت کا معنی پرستش خود مودودی صاحب نے کیا ہے ملاحظہ ہو عبارت منقولہ بالا کا فقرہ خط کشیدہ۔

"ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ الٰہ یا الٰہہ کے معنی عبادت (پرستش) اور الٰہ کے معنی معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے" (صفحہ ۱۵-۱۶)

اور دوسری طرف مختلف مقدمات کے ضمن میں مناسبات کو ظاہر کرکے نتیجہ ان الفاظ میں نکالتے ہیں!.....

"پس معلوم ہوا کہ معبود کے لئے الٰہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا ہے وہ یہ ہیں" (صفحہ ۱۷)

اب ذرا انصاف سے بتایئے اس ابتداء کو اس انتہا سے کیا تعلق ہے ہاں، اگر اس خط کشیدہ فقرہ کو نکال دیجئے تو پورا تعلق پیدا ہوجائے گا لیکن مودودی صاحب نے اس کو نہیں نکالا اور یہ پسند کیا کہ ان کی تحریر کا ایک دعوے اپنے نتیجے سے غیر مربوط وغیر متعلق رہے۔ فقط اس لئے تاکہ لوگوں کی نگاہ الٰہ اور الٰہہ کے مابین کسی تناسب کو دیکھنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اس معنی کی بنیادی نزاکتوں کو سمجھ نہ سکے جس کے لئے لفظ الٰہہ موضوع اور پھر اس سے لفظ الٰہ کو معبود کے لئے اخذ کیا گیا جس کی طرف میں نے مختصر سا اشارہ کردیا ہے.....

یہ حقیقت کسی زبان شناس پر پوشیدہ نہیں کہ ایک کلمہ کسی ایک ہی کلمہ سے مشتق ہوسکتا ہے ایسا نہیں کہ ایک مشتق کے ایک ساتھ کئی ایک مشتق منہ ہوں اور وہ سبھوں سے بیک وقت مشتق ہو لہٰذا ایک قائل اگر کسی کلمہ کے کسی کلمہ سے مشتق ہونے کا قول کرتا ہے تو اب اس کو حق نہیں رہ جاتا کہ وہ اس کلمہ کو اب کسی اور دوسرے کلمہ سے مشتق کہہ سکے اسی طرح اگر دوسرا شخص اس کلمہ کو کسی اور کلمہ سے مشتق کہتا ہے تو اب وہ اس کو اس پہلے کلمہ سے مشتق نہیں مان سکتا جو پہلے قائل کے قول کی بناء پر مشتق منہ تھا لہٰذا الٰہ کے مشتق منہ کے بارے میں جتنے اقوال ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ الٰہ ان سب سے بیک وقت مشتق ہے بلکہ اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ الٰہ کے مشتق منہ کے بارے میں چند اقوال ہیں لہٰذا ہر قول کا قائل اپنے قول کے سوا کسی اور کے قول کو اس کا مشتق منہ قرار نہیں دے سکتا مثلاً جس کے نزدیک کلمہ الٰہ "الہ اذا تحیر" سے مشتق ہے اس کے نزدیک یہ کلمہ الہت الیہ وغیرہ سے مشتق نہیں اور جس کے نزدیک کلمہ مذکور الہت الیہ سے مشتق ہے اس کے

نزدیک الہ اللہ وغیرہ سے مشتق نہیں اور اگر بالفرض یہ چند اقوال نہ ہوں بلکہ چند احتمالات ہوں تو اس صورت میں بھی ایک احتمال کو مان لینے کے بعد دوسرے احتمال کی نفی ہو جائے گی اور اگر آپ کسی خاص احتمال کو نہ مانیں تو آپ کی عقل تمام احتمالوں کے مابین متردد رہے گی یعنی اس کا کسی ایک احتمال کی طرف رجحان نہ ہوگا۔ بایں ہمہ وہ اس اعتقاد سے خالی نہ ہوگی کہ در حقیقت مشتق منہ کوئی ایک ہی ہے اگرچہ وہ غیر متعین ہے ایسا نہیں کہ کبھی بیک وقت مشتق منہ ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ احتمال کی صورت میں "وجوہ مناسبہ" کی تقریر الگ الگ ہر احتمال کی بنیاد پر کی جائے گی بایں طور کہ اگر نمبر ایک سے مشتق ہے تو مشتق اور مشتق منہ میں یہ مناسبت ہے، اور اگر نمبر دو سے مشتق ہے تو ان دونوں کے مابین مناسبت یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ الحاصل ہر احتمال کی بنیاد پر مشتق و مشتق منہ کے درمیان مناسبت الگ الگ بیان کی جائے گی جیسا کہ میں نے شروع میں بیضاوی اور اس کے حاشیے کی روشنی میں وجوہ مناسبہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے ایسا نہیں کہ جملہ احتمالات کے وجوہ مناسبہ کو ایک دوسرے سے ایسا مربوط بیان کیا جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ایک کلمہ مختلف کلمات سے ایک ساتھ مشتق ہے جیسا کہ مودودی صاحب نے اپنے مجتہدانہ ذوق کی تشنگی کو بجھانے کے لئے کیا ہے اب آیئے ان تشریحات کا بھی تحقیقی تجزیہ کرتے چلئے جو "وجوہ مناسبہ" سے متعلق ہیں اور جس میں مودودی صاحب نے بڑی "فنی چابک دستی" کا مظاہرہ کیا ہے۔

مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں:

۱) انسان کے ذہن میں عبادت کے لئے اولین تحریک اپنی حاجت مندی سے پیدا ہوتی ہے وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات و مصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے اضطراب کی حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔

۲) پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت روا سمجھے اس تصور کے ساتھ لازم و ملزوم کا تعلق

رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبے کے اعتبار سے اس کی برتری تسلیم کرے بلکہ طاقت و زور کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا قائل ہو۔

۳) پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلہ اسباب و علل کے تحت جن چیزوں سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں اور جن حاجت روائی کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے حدود علم کے اندر واقع ہوتا ہے اس کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا مثلاً مجھے خرچ کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی ہے میں جا کر ایک شخص سے نوکری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہوں وہ درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے اس لئے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گزرتا پرستش کا تصور میرے ذہن میں اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی و اثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہوا ہو اسی لئے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا ہے جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی و سرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

(بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۶-۱۷)

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس وقت تک کسی کو اللہ بنایا نہیں جا سکتا جب تک کہ بنانے والا اس کو اپنے گمان میں فوق الادراک[1] معنی میں حاجت روا، پناہ دہندہ، سکون بخش، بالاتر الحاصل فوق الادراک اقتدار و اختیار کا مالک نہ سمجھ لے اب مودودی صاحب کی اس کتاب کے اسی مضمون کی عبارت ذیل کو بھی ملاحظہ کر لیجئے!

"ان آیات میں اللہ کا ایک مفہوم اور ملتا ہے جو پہلے مفہومات سے بالکل

[1] یعنی "فوق الادراک" آگے کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ صفحہ ۱۹ کی تشریحات میں بھی ایک معبود کے لئے فوق الادراک طاقتوں ہی کا ذکر ہے۔

مختلف ہے یہاں فوق الطبعی اقتدار کا کوئی تصور نہیں جس کو الٰہ بنایا گیا ہے وہ یا تو کوئی انسان ہے یا انسان کا اپنا نفس ہے اور الٰہ اس کو اس معنی میں نہیں بنایا گیا ہے کہ اس سے دعا مانگی جاتی ہو یا اس کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا جاتا ہو اور اس کی پناہ ڈھونڈی جاتی ہو بلکہ وہ الٰہ اس معنی میں بنایا گیا ہے کہ اس کے حکم کو قانون تسلیم کیا گیا اس کے امر ونہی کی اطاعت کی گئی اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مان لیا گیا اور یہ خیال کر لیا گیا کہ اس کو بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار حاصل ہے کوئی اور اقتدار اس سے بالاتر نہیں جس کی سند لینے اور جس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔"

(بنیادی اصطلاحات، صفحہ۲۴)

اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ الٰہ کی ایک ایسی صورت بھی ہے جس میں الٰہ اپنے الٰہ بنانے والے کے گمان میں فوق الادراک معنی میں حاجت روا، پناہ دہندہ، سکون بخش، بالاتر، الحاصل فوق الادراک اقتدار واختیار کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا یہ غلط ہے کہ "انسان کسی کو الٰہ بنانے (الوہیت وعبادت) کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات ومصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے، اضطراب کی حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے...... مودودی صاحب کے ان دو کلاموں کی یہ تضاد بیانی ان کی مجتہدانہ شان کو اور بھی اُجاگر کر رہی ہے ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لیجئے مودودی صاحب کی ایک تحریر اور بھی ملاحظہ فرمایئے!۔

"ان آیات سے چند مزید باتوں پر روشنی پڑتی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت اپنے الٰہوں کے متعلق یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ساری خدائی انہی کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے اور ان پر کوئی خداوند اعلیٰ نہیں ہے وہ واضح طور پر ایک خداوند اعلیٰ کا تصور رکھتے

تھے جس کے لئے ان کی زبان میں اللہ کا لفظ تھا اور دوسرے الٰہوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس خداوند اعلیٰ کے خدائی میں ان الٰہوں کا کچھ دخل ہے اور اثر ہے ان کی بات مانی جاتی ہے ان کے ذریعے سے ہمارے کام بن سکتے ہیں ان کی سفارش سے ہم نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نقصانات سے بچ سکتے ہیں انہی خیالات کی بناء پر وہ اللہ کے ساتھ ان کو بھی الٰہ قرار دیتے تھے لہٰذا ان کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسم تعظیم وتکریم بجالانا اور نذر ونیاز پیش کرنا اس کو الٰہ بنانا ہے"۔ (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۲۱-۲۲)

اس اقتباس کی عبارتوں سے یہ صورت مستفاد ہوتی ہے کہ کسی کی پرستش کرنے اور اس کے الٰہ بنانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو فوق الادراک اقتدار کا مالک ومختار سمجھا جائے بلکہ یہ گمان بھی پرستش کرا سکتا ہے کہ ہمارا "مرکز پرستش" اللہ کا مقرب ہونے کے سبب اس کی بارگاہ میں ہمارا سفارشی ہے اور ہم کو خدا سے قریب کر دینے والا ہے لہٰذا ہمیں اس کو راضی رکھنے کے لئے اس کی پوجا کرنی چاہئے اس لئے کہ اگر وہ ناراض ہو گیا تو ممکن ہے کہ خدا کی بارگاہ میں بددعا کر دے اور پھر اس کی بددعا کی مار ہم پر پڑ جائے۔

اس کا یہ خیال کتنا ہی باطل سہی لیکن اس خیال کا امکان ہی "مودودی تشریحات مناسبہ" کی بنیاد اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہے۔

مودودی تشریحات کو اگر من وعن تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ کسی فرد کے اندر حاجت روائی، پناہ دہندگی، سکون بخشی، بالاتری، بالادستی، پراسرار شخصیت، اختیارات وطاقتوں کے مالک اور سارے انسانوں کے "مشتاق الیہ" ہونے کا اعتقاد معتقد کو اس فرد کی پرستش پر ابھار سکتا ہے لیکن یہ کوئی لازمی چیز نہیں بلکہ صرف ایک امکانی صورت ہے لہٰذا ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ ایک شخص اس کو حاجت روائی، مشکل کشا، پناہ دہندہ، سکون بخش، بالاتر، بالادست وغیرہ سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے بایں ہمہ نہ تو اس کے دل میں اس کی پرستش کا کوئی جذبہ ابھرتا ہے اور نہ وہ اس کو اپنا الٰہ ومعبود کہنے یا ماننے کے لئے تیار ہے الحاصل حاجت

روائی لازم الوہیت ہے نہ کہ الوہیت لازم حاجت روائی و من اوّل فعلیہ البیان۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مودودی صاحب کی بیان کردہ "تشریحات مناسبات" سے حاجت رواؤں کی دو قسمیں مستفاد ہوتی ہیں:

1) ایک وہ حاجت روا جس کی حاجت روائی کا سارا عمل مافوق الاسباب ہو۔

2) دوسرا وہ حاجت روا جس کی حاجت روائی کا سارا معاملہ اسباب و علل کے تحت ہو۔

اس تقسیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ ایک اللہ سے پہلی قسم کی حاجت روائی کی توقع کی جاتی ہے رہ گئی دوسری قسم کی حاجت روائی تو وہ محتاج کے دل میں اپنے محتاج الیہ کی پرستش کا جذبہ نہیں ابھارتی۔ اسی ضمن میں انہوں نے یہ بھی اشارہ کردیا ہے کہ کسی کو پہلے قسم کا حاجت روا ماننا اس کو اللہ مان لینا ہے رہ گیا دوسرے قسم کا حاجت روا تسلیم کرنا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان معنوں میں ایک مخلوق دوسری مخلوق کی حاجت روا، مشکل کشا، حامی و ناصر ہوسکتی ہے...... اگر مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب سے مافوق الادراک[1] و ماتحت الادراک[2] مراد لیا جائے جیسا کہ مودودی صاحب کی عبارتوں سے اور بالخصوص اس مثال سے جو انہوں نے پیش کی ہے اسی مراد کی طرف اشارہ ہو رہا ہے تو ہر وہ محتاج جو اپنے محتاج الیہ کو ایسا حاجت روا سمجھ رہا ہو کہ وہ اس کی حاجت روائی کے عمل کو اور اس کی مدد پہونچانے کی توانائیوں کو اپنے ادراک و حواس سے باہر پا رہا ہے تو مودودی نظریہ کے پیش نظر وہ اس کو اللہ سمجھ رہا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کی کھلی خلاف ورزی کر رہا ہے...... اس سلسلے میں میرے خیال میں میری اتنی گزارش کافی ہوگی کہ مخلوقات سے پہلی قسم کی حاجت روائی کی نفی کے لئے مودودی صاحب نے جن آیات کو پیش کیا ہے ان کے ہی عموم و اطلاق میں کوئی ایسی تخصیص و تقیید نہیں جس سے یہ اشارہ ہی ہو سکے کہ دوسرے قسم کے حاجت روا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان آیات میں فوق الادراک یا تحت الادراک کی کوئی تقسیم نہیں اور ہر قسم کی حاجت روائی واللہ کے لئے خاص کیا گیا ہے لہٰذا ان آیات

[1] یعنی جو حاجت روائی کا سارا معاملہ محتاج کے علم و حواس سے باہر ہو۔
[2] یعنی حاجت روائی کا سارا معاملہ محتاج کے علم و حواس کے اندر ہو۔

کی رو سے اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں نہ وہ حاجت روا ہے جس کی حاجت روائی کا عمل علم و حواس سے باہر ہو اور نہ وہ حاجت روا ہے جس کی حاجت روائی کا معاملہ دائرہ ادراک سے باہر نہیں الحاصل ان آیات سے مخلوقات سے دونوں قسموں کی حاجت روائیوں کی نفی ہوتی ہے اور اگر مودودی صاحب کے سامنے کوئی ایسی نص قطعی ہو جس میں حاجت روائی کی کسی قسم کو مخلوقات کے لئے ثابت کیا گیا ہو اور دوسری قسم کی اس سے نفی کی گئی ہو تو اس کو پیش کرنا چاہئے تھا اس سوال کا مودودی صاحب کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہ آیات گو اپنے اندر عموم و اطلاق رکھتی ہیں لیکن ان کو دوسری آیتوں سے "جن میں مخلوق کی حاجت روائی کا صراحۃً ثبوت ہے" مخصوص کردیا گیا ہے لہٰذا ماتحت الادراک[1] توانائی والوں کو حاجت روا کہہ سکتے ہیں گویا وہ آیات مخصوص منہ البعض ہیں۔ میں عرض کروں گا کہ اس تخصیص میں اگر کوئی مضائقہ نہیں تو پھر اس تخصیص کے بعد اس تخصیص میں کیا مضائقہ ہوسکتا ہے جو اہل حق بتاتے رہے جیسی کہ قرآن کریم نے بعض ایسی شخصیتوں کے حاجت روا ہونے کی تصریح کی ہے جو اپنے محتاج کے نزدیک مافوق الادراک توانائیوں کے مالک تھے...... لہٰذا الٰہی توانائیوں اور غیر الٰہی طاقتوں کے درمیان فوق الادراک یا تحت الادراک کی تفریق غیر صحیح ہے بلکہ دونوں قسم کی توانائیوں میں فرق کرنے کی سب سے آسان، واضح اور مناسب ترین صورت یہ ہے کہ اللہ حقیقی حاجت روا ہے اس کی توانائیاں ذاتی ہیں کسی کی مرہون منت نہیں سب کی حاجت روائی درحقیقت اسی کی حاجت روائی ہے اس لئے کہ سب اسی کی عطا کردہ توانائیوں سے حاجت روائی کرتے ہیں اللہ ہی حاجت روا ہے گو ذرائع حاجت براری مختلف ہیں بخلاف اس کے مخلوق کی حاجت روائی فوق الادراک ہو یا تحت الادراک بہرحال عطائی توانائیوں کی رہین منت ہے...... اور اگر مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب سے یہ مراد لیا جائے کہ مافوق الاسباب وہ ہے جو ماسوائے عالم اسباب" بالفاظ دیگر "ماسوی العالم" ہو۔ اسی طرح مافوق الاسباب توانائیوں سے مراد وہ توانائیاں ہیں جو دائرہ عالم اسباب سے باہر ہوں علیٰ ہذا القیاس جملہ صفات مافوق الاسباب اور جو اس کا برعکس ہو وہ ماتحت الاسباب ہے تو پھر ہم بغیر کسی

[1] یہ صورت محض فرضی ہے اس لئے کہ ماتحت الادراک کی قید قرآن کریم سے مستفاد نہیں۔

تمہید کے طور پر عرض کریں گے کہ انبیاء و اولیاء کی حاجت روائی کا سارا عمل خواہ ہمارے ادراک سے
باہر ہو یا اندر ہو، اسباب وعلل کے تحت ہے ان کی مقدس شخصیتیں عالم اسباب میں بے شمار فیوض
و برکات کے اہم ترین ذرائع اور وسائط ہیں ان کی حاجت روائی کا کوئی معاملہ فوق الاسباب نہیں
دنیا عالم اسباب ہے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے جس سے ہو رہا ہے سب کچھ ماتحت الاسباب ہے اور
سب کا خالق و مختار رب الاسباب ہے بالاصل اللہ تعالیٰ نے بھی کارخانہ عالم کے ہر ہر جز و کل
جز کو کسی نہ کسی سبب سے مربوط کر رکھا ہے گو وہ سبب ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہوں اب
جنہوں نے اسباب ہی کو رب الاسباب سمجھ لیا ہے یا اس کا ہمسر تصور کر لیا اور ان کی پرستش کرنے
لگے وہ خود نے کوتاہ نظر ہیں۔ اولیاء و انبیاء بلکہ سید الانبیاء کو دیئے تمام مافوق الادراک توانائیوں اور
بیشمار خوبیوں کے باوجود ذات وصفات الٰہیہ سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرے کو سمندر سے
ہے۔ اب ہم جن صفات کو انبیاء و اولیاء کے لئے ثابت مانتے ہیں ان کا ان میں نہ ماننا اور انہیں
شریک خدا قرار دینے سے معلوم ہوا کہ شرک کا فتویٰ دینے والا خود ذات وصفات الٰہیہ کو سمجھنے سے
قاصر رہا ہے اور اگر مافوق الاسباب سے "مافوق العادة والطبیعة" مراد لیا جائے اس صورت میں یہ
قریب قریب مافوق الادراک کے معنی میں ہو جائے گا اس کا جو حال بیان کیا جا چکا ہے وہی اس کا
حال ہے اور اس صورت میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قادر مطلق نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب
بندوں کو مافوق الاسباب توانائیوں کا مالک بنایا ہے جس کا ثبوت اپنے مقام پر آئے گا۔

اہل جاہلیت کا تصورِ الٰہ

اس عنوان مذکور کے تحت مودودی صاحب نے قرآن کریم سے مختلف مقاصد کی وضاحت کے لئے بہت سی آیتیں نقل کی ہیں اور ان سے اپنے مطلوبہ نتائج اخذ کئے ہیں ان آیات ونتائج کو سامنے لانے سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں:

(۱) قرآن کریم کو زبان عربی اور ماحول حجازی میں نازل کیا گیا ہے لیکن اس میں غیر حجازی زبان کے عربی الفاظ بھی کافی تعداد میں ہیں، علامہ ابوالقاسم نے اس نوع کے بیان میں جو

جس کتاب تالیف کی ہے اس میں انہوں نے قرآن میں مختلف عربی قبائل کی زبانوں کے الفاظ
آتے ہیں ان کی تفصیل وتشریح کی ہے جس کو ملخصاً علامہ سیوطی نے "اتقان" میں تحریر کیا ہے جس
سے قرآن شریف میں انتیس قبیلوں کی لغات کے الفاظ کی نشان دہی ہوتی ہے علامہ سیوطی نے
بحوالہ "الارشاد فی القرات العشر للعلامة ابی بکر الواسطی" لکھا ہے کہ قرآن میں پچاس
قبیلوں کی زبان کے الفاظ موجود ہیں۔ قرآن کریم میں لغات ملک عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں
کی زبانوں میں سے اہل فارس، اہل روم، حبشی، اہل حبش، بربری، سریانی، عبرانی اور قبطی زبانوں
کے الفاظ بھی موجود ہیں بہت سارے عجمی الفاظ کی جو معرب کر کے قرآن کریم میں مستعمل ہیں
اتقان میں تفصیل وتشریح کی گئی ہے گو بعض علماء الفاظ عجمی کا قرآن کریم میں استعمال تسلیم نہیں
کرتے لیکن علماء کی ایک جماعت اس کی قائل بھی ہے ایسی صورت میں ایک عربی کے لئے بھی
پورے قرآن کریم کا سمجھنا کس قدر دشوار ہے جب تک کہ وہ تمام قبائل وممالک کے لغات و
محاورات کا عالم نہ ہو چہ جائیکہ خالص عجمی ہو نیز قرآن کریم میں ایسے بھی کثیر الفاظ ہیں جو غریب
ہیں یعنی کم استعمال ہونے والے ہیں ان کی غرابت کا عالم یہ ہے کہ اچھے خاصے اہل زبان بھی بہت
سے الفاظ کا معنی فوری طور پر جب تک کہ تحقیق نہ کر لیا سمجھ نہ سکے۔ غرائب قرآن کے معلوم کرنے
کی کوشش کرنے والے پر لازمی ہے کہ وہ استقلال سے کام لے اور اہل فن کی کتابوں کی طرف
رجوع کرے اور اس باب میں ظن وگمان سے بھی کام نہ لے کیونکہ صحابہ کرام جو خاص عرب کے
باشندے اور اہل زبان تھے پھر قرآن بھی انہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا اگر اتفاق سے ان کو کسی
لفظ کے معنی نہیں معلوم ہوتے تھے تو وہ اپنے قیاس سے ہرگز اس کے معنی نہیں لگاتے تھے بلکہ
خاموشی اختیار کرتے تھے (ملاحظہ ہو اتقان اردو ص ۳۲۰)۔ ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد ظاہر
ہوتا ہے کہ قرآن فہمی کس قدر دشوار امر ہے نیز ایک مفسر کے لئے "فن غرائب القرآن" کا جاننا کتنی
قدر ضروری ہے۔ حضرت ابوہریرۃ سے مرفوعاً روایت ہے "اعربوا القرآن والتمسوا غرائبه"
(اتقان اردو ص ۳۱۹) قرآن کے معانی سمجھو اور اس کے غریب الفاظ کو تلاش کرو اس روایت نے بھی
اس فن کے حصول کی ضرورت کی تصریح کر دی ہے قرآن کریم کے کلمہ غریبہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱- وہ کلمہ ہی بہت کم استعمال ہو۔

۲- کلمے کا استعمال تو کثیر ہو لیکن اس معنی میں استعمال نادر ہو جس میں قرآن کریم استعمال کر رہا ہے۔

دونوں قسموں کے کلمات غریبہ کی ایک طویل فہرست ان کی تشریحات کے ساتھ اتقان کے صفحات کی زینت ہے۔ یہ تشریحات بطریق ابوطلحہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے جو تمام طریقوں میں صحیح تر طریقہ ہے نیز اسی اتقان میں بطریق ضحاک حضرت ابن عباس سے غرائب قرآن کی جو تشریحات منقول ہیں ان میں ان الفاظ کی تشریحات کی بھی فہرست مذکور ہے جو اس روایت کی فہرست میں نہیں جو بطریق ابوطلحہ منقول ہے دونوں طریقوں کی اسناد صحیح و ثابت ہے۔

الحاصل کسی آیت کی تفسیر کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ کہیں اس آیت میں کوئی کلمہ غریب تو نہیں اور اگر ہے تو اس کا معنی کیا ہے اس کے لئے کتب اہل زبان کی چھان بین اور ان لغات کی طرف خود کو رجوع کرنا ضروری ہے جو خاص کر غرائب قرآن کی تشریح کے لئے مرتب کی گئی ہیں یا جن میں قرآن کریم کے الفاظ غریبہ کی تشریح موجود ہو اس لئے کہ عام لغتیں ان تشریحات سے خالی ہوتی ہیں نیز متقدمین و متاخرین کی تفاسیر قرآن کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔۔۔۔الفاظ غریبہ کو سمجھانے کے لئے چند مثالیں بھی دیتا چلوں۔

ا) یَدْعُوْنَ بمعنی یَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے ہیں)

ب) انداداً بمعنی اشباھا (مشابہ اور مثل) لبید بن ربیعہ کا شعر ہے

احمد الله فلا ند له

بیدیه الخیر ما شاء فعل

(یعنی، میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں اس کے "دست قدرت" میں بہتری ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے)

دونوں تفسیریں حضرت ابن عباس سے منقول ہیں اول بطریق ابوطلحہ اور ثانی بطریق ضحاک۔ یہ شعر بھی حضرت ابن عباس نے اس وقت بطور استشہاد پیش کیا تھا جب نافع بن الازرق نے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کے پاس کلام عرب سے کیا ثبوت ہے کہ انداد الاشباہ والامثال

(مثل، ہمسر، مثل، مانند) کے معنی میں ہے۔۔۔۔نافع اور حضرت ابن عباس کے سوال و جواب کی پوری تفصیل اتقان میں موجود ہے۔

ii) الدعاء ایک معمولی تتبع و تلاش کے بعد اس کے نو معانی کی تحقیق ہوئی ہے جس میں سات عدد بحوالہ اتقان ص ۲۳۱ اور دو عدد بحوالہ مدارک، ان تمام معنوں میں یہ کلمہ قرآن کریم میں مستعمل ہے جس میں دعا و ندا کے سوا سب معانی میں یہ لفظ غریب ہے۔

۱) عبادت: مثلاً ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾
نہ لو جو اللہ کے سوا ان کو جو نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان

۲) استعانت: مثلاً ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾
مدد طلب کرو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں سے۔

۳) سوال دعا: مثلاً ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾
مجھ سے مانگو (دعا کرو) میں تمہاری (دعا) دعا قبول کروں گا۔

۴) قول مثلاً ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾
ان کا اس میں سبحانک اللھم کہنا

۵) ندا: مثلاً ﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ﴾
جس دن وہ تمہیں پکارے گا۔

۶) تسمیہ (نام رکھنا) مثلاً ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾
نہ بناؤ رسول کے نام رکھنے کو اپنے بعض کے بعض کا نام رکھنے کی طرح

۷) توحید: (یکتا جاننا) مثلاً ﴿اُدْعُوْنِیْ﴾ بمعنی وحدونی (توحید کے قائل ہو جاؤ) منقول از ابن عباس بطریقہ ابوطلحہ۔ (سورہ مومن)

۸) اشراک: (شریک کرنا) مثلاً ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ ای لا یشرکون﴾

جو لوگ نہیں شریک کرتے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو۔ (مدارک ص ۱۳۶، ج ۳)

۹) ذکر: (یاد کرنا) مثلاً ﴿ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ بمعنی اذکروا الله او اذکروا الرحمن "مدارک تحت آیہ مذکورہ یاد کرو اللہ یا یاد کرو رحمٰن یعنی یہ دو ہستیاں نہیں کہ ایک ہی ہستی کی دو تعبیریں ہیں۔

ادعوا اللہ الایۃ میں اس کا بھی احتمال ہے کہ دعا بمعنی تسمیہ ہو اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب ابوجہل نے حضور علیہ السلام کو یا اللہ یا رحمٰن کہتے سنا تو کہنے لگا انه نهانا ان نعبد الهين وهو يدعوا الها اخر انہوں نے (یعنی رسول کریم نے) ہمیں روکا ہے کہ ہم دو الہوں کی پوجا کریں، اور خود دوسرے معبود کی پرستش کرتے ہیں ابوجہل کے اس قول میں يَدْعُوا بمعنی يَعْبُدُ معلوم ہوتا ہے ورنہ وہ نعبد الهين کے بجائے ندعوا الهين کہتا...... ایسی صورت میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کرنے والے پر لازمی ہے کہ وہ پہلے اس بات پر غور کرے کہ اس آیت کے کلمات کے کتنے معانی نادرہ وغیر نادرہ ہیں اور یہاں کیا مراد ہے۔ مراد کی تعیین اپنے انکل اور قیاس سے نہیں کی جا سکتی یہ قرآن ہے جہاں تفسیر بالرائے شرمناک جرم ہے لہٰذا اس کے لئے تفاسیر کی طرف خود کو رجوع کرنا ضروری ہے۔

۲) قرآن کریم میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کا روئے سخن خاص چیزوں کی طرف ہے، ان کو کسی اور پر چسپاں کرنا قرآن فہمی کے بجائے قرآن کشی ہے مثلاً قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ﴿مَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ آیا ہے وہ مشرکین ہی کے لئے ہے ورنہ مسلمانوں اور اہل ایمان کے مددگار بہت کثرت سے ہیں (ابوالشیخ عن ضحاک عن ابن اتقان اردو ص ۳۳۵) لہٰذا قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا ضروری ہے کہ کہیں یہ آیت کسی اور کے لئے ہے اور ہم کسی اور پر چسپاں کر رہے ہیں؟

۳) قرآن کریم میں ایسے بھی الفاظ ہیں جن کو مترادف (ہم معنی) گمان کیا جاتا ہے

حالانکہ وہ مترادف کی قسم کے نہیں ہوتے مثلاً خوف وخشیت، شح وبخل، سبیل وطریق وغیرہ وغیرہ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اتقان اردو ص ۳۲۵) ایک لغوی ان کے معنی میں فرق نہ بتا سکے گا لہٰذا صرف لغتوں پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ تفاسیر سے ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے مابین نازک فرق کیا ہے تاکہ جب کسی آیت کی تفسیر کرنی پڑے تو ایسا نہ ہو کہ مترادف سمجھ کر ہم خوف کی وہی تشریح کر جائیں جو خشیت کی ہو اور خشیت کا وہ معنی بتائیں جو خوف کا ہو۔

۴) قرآن کریم کے بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنی و مراد کے تعین سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ جس آیت کریمہ میں یہ مذکور ہیں ان کا تخاطب کس سے ہو رہا ہے وہ کس کے بارے میں نازل کی گئی ہے۔ موقع ومحل کے بدلنے سے ایک ہی لفظ کے مختلف معنی مراد ہو سکتے ہیں مثلاً لفظ "من دون اللہ" جس کا لفظی معنی "سوی اللہ" ہے اب اگر ہم نے کسی کو آتش پرستی کرتے ہوئے دیکھا اور سوال کر دیا مَالَكَ أَنْ تَعْبُدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ؟ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو "من دون اللہ" کو پوجتا ہے؟ تو ہمارے اس کلام میں "من دون اللہ" سے مراد صرف آگ ہو گی لہٰذا اب اگر کسی نے ہمارے کلام مذکور میں "من دون اللہ" سے مراد آگ کے سوا کچھ اور لیا تو وہ ہمارے کلام میں تحریف کر رہا ہے اسی طرح اگر ہم نے کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا اور بول پڑے ﴿هَيْهَاتَ أَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ افسوس تم "من دون اللہ" کو پوج رہے ہو جو نفع وضرر کچھ بھی نہیں پہنچا سکتے تو ہمارے اس کلام میں "من دون اللہ" سے مراد اصنام ہی ہوں گے اور ﴿مَا لَا يَنْفَعُكَ﴾ الخ انہیں کی صفت قرار پائے گی اب اگر کوئی اصنام کے سوا کوئی اور مراد بتائے تو وہ ہمارے کلام کا محرف ہے اسی طرح اگر ہم نے کسی کو ملائکہ پرستی میں مبتلا پایا اور کہہ دیا ﴿أَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تم "من دون اللہ" کو پوج رہے ہو تو یہاں "من دون اللہ" سے مراد ملائکہ کے سوا کچھ اور لینا ہمارے کلام کی تحریف ہے اسی طرح ہم نے کسی کو انبیاء پرستی میں دیکھا اور کہہ پڑے ﴿لِمَاذَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تم "من دون اللہ" کی کیوں پرستش کر رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں "من دون اللہ" سے مراد انبیاء کرام ہی ہیں لہٰذا اب ان کے سوا کچھ اور مراد لینا کلام کی تحریف کے مرادف ہے۔ اسی طرح اگر ہم

تمام (اللہ کے سوا) کی پرستش کرنے والوں کو ایک ساتھ مخاطب کر کہیں ﴿مَالَكَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ تمہارا کیا حال ہے کہ تم ''من دون اللہ'' کی پرستش کر رہے ہو اس صورت میں ''من دون اللہ'' سے خدا کے سوا ہر وہ معبود مراد ہوگا جس کی پرستش کی جا رہی ہو اس عموم میں خصوص پیدا کرنا تحریف ہے۔ تمام اوامر و نواہی کا بھی یہی حال ہے اگر وہ غیر مخصوص ہوں مثلاً ﴿لَا تَعْبُدُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اللہ کے سوا کو مت پوجو تو ممکن ہے کہ اس کا مورد خاص ہو لیکن حکم عام ہے یعنی گو وہاں ایک خاص قوم کو خاص چیز کی پرستش سے روکا جا رہا ہے لیکن مقصود ہر قوم کو اور ہر غیر خدا کی عبادت سے روکنا ہے۔

الحاصل ''من دون اللہ'' کا معنی تو ''سوی اللہ'' ہے لیکن اس کے خاص محل استعمال اور مخاطب نیز اس کے روئے سخن کے اعتبار سے ہر مقام پر ''من دون اللہ'' کی مراد ایک دوسرے سے الگ ہو سکتی ہے ایسی صورت میں کسی آیت کے ''من دون اللہ'' کی مراد دوسری آیت کے ''من دون اللہ'' کی مراد کا عین سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔

دو ''من دون اللہ'' کے فرق کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ نفس الامر میں ملائکہ بھی ''من دون اللہ'' ہیں اور اصنام بھی لیکن فرشتے ایسے ''من دون اللہ'' ہیں جن کو قرآن کریم نے عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ عزت والے بندے کے خطاب سے نوازا ہے اور اصنام ایسے من دون اللہ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے ﴿اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ تم اور ''من دون اللہ'' جن کو تم پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔

یہی حال لفظ طاغوت کا ہے، اگر ہم آتش پرست کو طاغوت پرست کہیں تو طاغوت سے مراد آگ ہے، شجر پرست کو طاغوت پرست کہیں تو طاغوت سے مراد شجر ہے اگر اصنام پرست کو طاغوت پرست کہیں تو طاغوت سے مراد اصنام ہیں اگر شیطان پرست کو طاغوت پرست کہیں تو طاغوت سے مراد شیطان ہے الحاصل یہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کے معنی مراد کی تعیین ان کے استعمال کے موقع و محل سے ہوا کرتی ہے اور وہ مراد اسی موقع و محل کے ساتھ خاص ہوا کرتی ہے اس مراد کو تمیں اور تخمیں چیستاں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ایک مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھی طرح

جانے وغیرہ سے یہ سمجھ لے کہ کس آیت کا تخاطب کس سے ہے وہ کس کے بارے میں نازل کی گئی ہے اس کے نزول کا موقع و محل کیا تھا تاکہ اس کے کسی لفظ کی مراد کی تعیین میں کوئی غلطی نہ واقع ہو اور اس پر تفسیر بالرائے کا داغ نہ لگے۔

یہیں پر مودودی صاحب کے اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے جو انہوں نے دور آخر کی کتب لغت و تفسیر پر کیا ہے، ان کے خیال میں آخری دور کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔[۱]

''لفظ الٰہ قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا رب کو پالنے پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کئے گئے، دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلے لفظ قرار دیا گیا طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا''۔ (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۱-۱۲)

آگے چل کر خود مودودی صاحب ہی لکھتے ہیں کہ!......

''قرآن میں لفظ الٰہ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک وہ معبود جس کی فی الواقع عبادت کی جا رہی ہو قطع نظر حق ہو یا باطل اور دوسرے وہ معبود جو در حقیقت عبادت کا مستحق ہو''۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ کس آیت میں الٰہ کا کیا معنی ہے؟ اور پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس کی شان نزول اور استعمال کے موقع و محل کو سمجھ کر مفسرین نے کر دیا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِهَةً﴾ یہ آیت چونکہ ان کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بت پرست تھے (وہ بت خواہ ملائکہ کے نام سے موسوم کر دیئے گئے ہوں یا کسی اور کے نام سے) اس لئے متعین ہو گیا کہ اس آیت مذکورہ میں آلِهَةً اصنام ہی ہیں لہٰذا اب اس کی تشریح و تفسیر اصنام ہی سے کی جانے

۱ ''بنیادی اصطلاحیں'' جز (۱) کا حاشیہ: اس حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم میں الٰہ کا معنی صرف معبود ہے نہ کہ حاجت روا وغیرہ۔

ئی اور الہ کے سوا کچھ اور مراد لینا کلام کی تحریف کہی جائے گی ــــ اس تفسیر کا یہ منشا نہیں کہ الٰہ کا معنی بت ہے، بلکہ محض اتنا مطلب ہے کہ اس خاص مقام پر الٰہ بت کے سوا کوئی نہیں۔ اسی طرح آپ قرآن کریم کے ہر اس مقام کو دیکھ ڈالئے جہاں لفظ الٰہ یا الِهَۃٌ کا استعمال کیا گیا ہے وہاں مفسرین کرام اس کے موقع و محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی وہی تفسیر کرتے ہوئے نظر آئیں گے جو اس خاص مقام کے مناسب ہوگی اس سے ظاہر ہو گیا کہ تفسیروں میں الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی نہیں بنا دیا گیا ہے بلکہ قرآن پاک میں چونکہ "من دون الله الِهَۃ" جا بجا بتوں اور دیوتاؤں ہی کے لئے آیا ہے اس لئے ہر ہر مقام پر اس کے خاص معنی مراد کو "بتوں" یا "دیوتاؤں" کے نام لے کر واضح کر دیا گیا ہے ــــ لیکن مودودی صاحب بھلا اس دیانت تحقیق پر کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں جن کے مشن کا یہ راز وہی یہ ہے کہ وہ ان آیات کو جو خاص کر بتوں کے لئے نازل کی گئی ہیں ان کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر دیں ــــ یہی حال لفظ طاغوت کا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں طاغوت صرف بتوں کو یا شیاطین (خواہ شیاطین جن ہوں یا شیاطین انس) کو کہا گیا ہے وہاں مفسرین نے قرآن کریم کے معنی مراد کے مطابق طاغوت کی تفسیر بت یا شیطان سے کر دی اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ طاغوت کو کسی معنی میں مخصوص کر رہے ہیں افسوس کہ مودودی صاحب کو یہ دیانت علمی راس نہ آئی۔ کیا وہ طاغوت کے کسی ایسے معنی کے متمنی ہیں جس سے انبیاء اولیاء بھی طاغوت کا مصداق ہو سکیں؟ غور و فکر کے اسی مذکورہ طریقہ خاص سے رب، عبادت، دین پر بھی غور کیجئے یہاں ان الفاظ کی تشریح نہیں کرنی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ان پر مستقل عنوانات کے تحت مکمل و محقق گفتگو کی جائے گی۔

الحاصل مودودی صاحب کا یہ اعتراض اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا اور اس کا مقصود صرف یہی نظر آتا ہے کہ علوم قرآنیہ سے بے بہرہ لوگوں کو تفاسیر کے ایک گرانقدر سرمائے سے بے اعتماد کر کے ان کو اس سے محروم کر دیا جائے ــــ رہ گیا لغت کا مسئلہ تو اور لفظوں کی تو نہیں لیکن لفظ الٰہ کی کافی لغوی تحقیق ہو چکی ہے، اب آپ ان سارے شواہد لغات کو ملاحظہ کیجئے اور بتائیے وہ کون سی لغت ہے جس میں لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا ہے یہ

دور اول کی لغتیں نہیں ہیں بلکہ دور آخر ہی کی ہیں اور اگر آپ ان میں سے بعض کو دور آخر سے نکال بھی دیں تو بھی ان میں بعض ایسی بھی لغتیں ہیں جو بہر حال دور آخر کی ہیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ مودودی صاحب اپنے دعوے میں کتنے صادق ہیں ان کو چاہئے تھا کہ وہ دور آخر کی ان لغت تفسیر کی کتابوں کو نام بنام شمار کراتے جن میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے کی گئی ہے اور واضح کر دیتے کہ ان کے نزدیک وہ کون سی لکیر ہے جو دور آخر و دور اول سے الگ کرتی ہے کیا یہ اختفاء کسی بہت بڑی فریب دہی کا غماز نہیں؟ میرے خیال میں مودودی صاحب کی یہ کوشش بھی اس لئے ہے تا کہ لوگ کتب لغت سے بھی مایوس ہو جائیں اور اس کی چھان بین میں نہ لگیں اور جو مودودی صاحب لکھتے جائیں وہ اس پر آمنا و صدقنا کہتے جائیں یہ خیال کر کے کہ ہمارے پاس تو دور آخر ہی کی کتب تفسیر و لغت ہیں اور مودودی صاحب کے پاس دور اول کی تفاسیر و لغات لہٰذا ہم اس حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں جو مودودی صاحب سمجھے بیٹھے ہیں ــــ مودودی صاحب کو سوچنا چاہئے تھا کہ معمولی تعلیم یافتہ لوگوں پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ دور آخر کی کتب لغات و تفاسیر دور اول ہی کی کتب لغات و تفاسیر کا چربہ ہیں ــــ ہاں اگر کوئی لغت ایسی ہے جس کا منشا صرف الفاظ قرآنی کی ان معانی مرادی تشریح ہے جن معانی میں وہ قرآن میں جا بجا مستعمل ہیں ...... یا ...... معنی لغوی کے ساتھ ساتھ ان معانی کی بھی توضیح مقصود ہے تو وہ اپنے اس خاص نقطۂ نظر میں اسی حیثیت کی حامل ہوگی جو تفسیروں کو حاصل ہے لہٰذا قرآنی معنی مراد کی تعیین میں اس کا طریقہ کار وہی ہوگا جو تفسیروں کا ہے لہٰذا اس بنیاد پر اس سے بے اعتمادی کی ایک عام فضا ہموار کرنی نہایت کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔

یہ پانچ اصولی باتیں ہیں جن کو میں نے کافی تفصیل و تشریح کے ساتھ سب کے روبرو رکھ دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن فہمی نہایت دشوار امر ہے اور تفسیر قرآن بڑی احتیاط چاہتی ہے ایک مفسر کے لئے کن کن علوم کی ضرورت ہے اس کو تو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے اتقان کا مطالعہ فرمائیے اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں تاہم جتنے امور کی ضرورت کی طرف میں نے اشارے کئے ہیں وہ خود اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اور آج تو یہ حال قرآن فہمی، تفہیم القرآن کا بازار گرم ہے اردو کے چند لٹریچر پڑھ لینے والا بھی اپنے کو تفقہ و بصیرت کے اس مقام پر سمجھنے لگا ہے جہاں سے امام اعظم پر بھی تیر پھینکا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کو پس پشت ڈال دیا گیا کہ قرآنی الفاظ و عبارات کو سمجھنے کے لئے اس وقت کی عربی زبان و محاورات پر عبور اور احادیث و تفاسیر کی روشنی میں اس کی مراد کے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے کسی خاص نظریے کے ثابت کرنے کے لئے اپنی طرف سے الفاظ کے معانی اور آیات کے مفاہیم متعین کر دینا تحقیق نہیں بلکہ تحریف ہے اگر فی الحقیقت ہمیں قرآن کریم سے کسی چیز کو سمجھنا ہے تو پھر لغات عرب کے متعلق اس وقت کے تاریخی پس منظر اور قرآنی الفاظ و عبارات کے معانی مراد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے صحیح صحیح مفاہیم و معانی متعین کرنا چاہئے ایسا نہیں کہ نئے نئے خیالات سے مرعوب ہو کر انہیں کے سانچے میں مطالب قرآن کو ڈھال دینے کی کوشش کی جائے۔

تحقیق لفظ الٰہ کے سلسلے میں مودودی صاحب نے جن آیات کو جس ترتیب سے بیان کیا ہے انہی آیات کو اسی ترتیب سے میں بھی بیان کروں گا اور ان کے الفاظ و عبارات کا صحیح صحیح ترجمہ اور بقدر ضرورت تفسیر کرتا جاؤں گا ترجمہ و تفسیر ایسا ہوگا جس کی صحت کی شہادت کتب لغت و تفسیر سے حاصل کی جا سکے۔ حاشیہ میں بقدر ضرورت بعض الفاظ کی توضیح بھی کر دی جائے گی تاکہ مودودی صاحب کی وہ غلطیاں آشکارا ہو جائیں جو انہوں نے ان الفاظ کے ترجمہ و تشریح میں کی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ "مودودی خیالات" کے فساد کا بھی انکشاف کرتا جاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱) ﴿وَاتَّخَذُوا[1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً[2] لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا[3]﴾ (مریم: آیہ ۸۱)

یعنی، اور اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے کہ وہ انہیں زور دیں۔

[1] کفار مکہ (جلالین) ای اتخذ ھؤلاء المشرکون اصناما یعبدونھا (مدارک) ان مشرکین نے بتوں کو پرستید بنایا۔

[2] الاوثان بتوں (جلالین)۔

[3] یعبدونھم بتوں کو پوجتے ہیں (جلالین)۔

۲) ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً[1] لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (یٰس: آیہ ۷۴)

یعنی، اور انہوں نے خدا کے سوا اور معبود ٹھہرا لئے کہ شاید ان کی مدد ہو۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے الٰہوں یعنی بتوں کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان کے معین و مددگار ہیں اور وہ بھی خدا کے مقابلہ میں کہ رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے مگر یہ بت عذاب نہ دینے دیں یہ ماننا شرک ہے۔ ۔۔ رہ گئے انبیاء و اولیاء جن کی نصرت و اعانت کا سارا معاملہ باذن اللہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی نصرت و عون کے مظاہر ہیں نیز جن کے مدد دینے اور جن سے مدد لینے کا ثبوت کثیر آیات و احادیث سے ملتا ہے (ملاحظہ ہو الامن والعلیٰ) ان آیات کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

۳) ﴿فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ يَدْعُوْنَ[2] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ[3] غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ (ہود آیہ ۱۰۱)

یعنی، تو ان کے معبود جنہیں اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے جب تمہارے رب کا حکم نہ آیا اور ان سے انہیں ہلاک کے سوا کچھ نہ بڑھا۔

یعنی جھوٹے معبودوں کی عبادت انہیں کام نہ آئی خیال رہے کہ بتوں کی عبادت تو بہر حال جھوٹی ہے کیونکہ خود معبود جھوٹے ہیں رب کی عبادت اگر نبی کی تعلیم سے کی جائے تو سچی ہو نبی کی مخالفت کے ساتھ کی جائے تو جھوٹی یعنی معبود سچا مگر یہ عابد اور ان کی عبادت جھوٹی۔ یہ دونوں عبادتیں کارآمد نہ ہوں گی کفار مکہ معظمہ کا حج کرتے تھے گزشتہ کافر قومیں رب کی عبادت بھی کرتی تھیں مگر سب بیکار بلکہ نقصان دہ۔

[1] اصناما یعبدونھا بتوں کو پوجتے ہیں (جلالین)۔ ۔۔ای لعل اصنامھم تنصرھم شاید ان کے بت ان کی مدد کریں (مدارک) مدارک و جلالین نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ ان آیتوں میں "من دون اللہ الٰہۃ" سے مراد "معبودان باطل اصنام" ہیں۔

[2] ای یعبدون (مدارک و جلالین) یعنی اس آیت میں یدعون بمعنی یعبدون ہے۔

[3] بعبادتھم لھا (جلالین) یعنی کفار کا بتوں کا پوجنا باعث ہلاکت ہی ہے۔

۴) ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ[1] مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ[2] أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ[3] وَمَا يَشْعُرُونَ[4] أَيَّانَ يُبْعَثُونَ[5] إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ[6]﴾

(النحل آیت ۲۰-۲۲)

یعنی اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور بنائے ہوئے ہیں مردے ہیں زندہ نہیں اور انھیں خبر نہیں کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود ایک ہے۔

اس آیت کریمہ میں "من دون اللہ" سے مشرکین عرب کے بت مراد ہیں حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ان کے مراتب عالیہ کا ذکر دوسری آیات میں موجود ہے بلکہ فرشتے بھی اس آیت سے خارج ہیں۔

رب تعالیٰ شہداء کے بارے میں فرماتا ہے ﴿لَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ﴾ لہٰذا اس آیت میں نبیوں کو داخل ماننا صحیح نہیں۔ اس آیت سے دو باتوں کی وضاحت مقصود ہے۔

۱) کفار جن بتوں کی پرستش کر رہے ہیں ان بے جان بتوں کو نہ تو ان کی موجود عبادت کی خبر ہے اور نہ انھیں ان کے اگلے حالات کا علم ہے کہ وہ قبروں سے کب اٹھیں گے ایسی بے شعور

---

۱. یدعون بالیاء والتاء تعبدون (جلالین) یعنی یدعون یہاں یعبدون (پوجتے ہیں) کے معنی میں ہے۔ الاصل آیت نمبر ۲۰ میں "دعا" بمعنی "عبادت" ہے نہ کہ بمعنی "ندا" لہٰذا ان آیتوں میں دعا کے معنی "پوجنا" ہیں نہ کہ "پکارنا" پس ثابت ہوا کہ ان آیتوں کا "مودودی ترجمہ" صحیح نہیں بلکہ گمراہ کن ہے۔

۲. مصورون من الحجارة وغيرها (جلالین) یعنی پتھر وغیرہ سے بنائے گئے ہیں۔

۳. لا روح فيهم (جلالین) یعنی ان بتوں کے اندر روح نہیں ..... لا بمعنى عدم الحيوة الطارى عليه (حاشیہ جلالین) یعنی یہاں موت سے مراد وہ عدم نہیں جو حیات پر طاری ہوتا ہے۔

۴. ای الاصنام (جلالین) یعنی اصنام خبر نہیں رکھتے۔

۵. الضمير في يبعثون للداعين اى لا يشعرون متى تبعث عبدتهم (مدارک) یبعثون کی ضمیر سے مراد پوجنے والے ہیں یعنی ان بتوں کو خبر نہیں کہ ان کے پوجنے والے مر کر کب اٹھیں گے۔

۶. المستحق للعبادة منكم (جلالین) یعنی تمہاری عبادت کا مستحق ایک ہی معبود ہے۔

چیز کی عبادت کرنی بالکل حماقت ہے۔

۲) اللہ تعالیٰ ذاتاً بھی ایک ہے، اور صفاتاً بھی۔ لہٰذا جو کوئی رب کو ایک مان کر کسی اور میں اس کی سی صفات مانے وہ بھی ایسا ہی مشرک ہے، جو رب کی ذات میں شریک کرے۔ مدارک میں ہے کہ "آیت کریمہ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا الایۃ سے بتوں سے الٰہیت کے بعض خصائص یعنی خالق ہونے حی لا یموت ہونے اور عالم بوقت البعث ہونے کی نفی اور چند صفات خلق یعنی مخلوق ہونے، اموات غیر احیاء ہونے اور جاہل بالبعث ہونے کا اثبات مقصود ہے" اموات غیر احیاء کا معنی یہ ہوا کہ اگر یہ بت درحقیقت معبود ہوتے تو "احیاء غیر اموات" ہوتے حالانکہ ان کا معاملہ ہی الٹا ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب معبود ہی نہ جانے کہ اس کے پوجنے والے کب مر کر اٹھیں گے تو بھلا ان پوجنے والوں کو اپنے اعمال عبادت کی جزاء کا وقت کیسے میسر آ سکتا ہے (مدارک ملخصاً) ...... اس مقام پر یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ اس آیت کریمہ میں بتوں سے خصائص الٰہیت کی نفی اور ان میں خصائص مخلوقیت کے ثبوت کا یہ سارا معاملہ اور یہ سارا استدلال بتوں کے مقابلہ میں ہے اس لئے ممکن ہے کہ جن صفات کی نفی بتوں سے کی گئی ہے ان میں سے بعض صفات سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و مقبول بندوں کو اپنے فضل و عطا سے سرفراز فرما دے ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ یقیناً اللہ ہر چاہے پر قادر ہے تو اس نے اگر کسی کو اپنی بعض صفت مثلاً علم بوقت البعث سے نواز دیا تو اس سے وہ مقبول بندہ الٰہ نہ ہو جائے گا تقریب فہم کے لئے اس مقام پر یہ مثال مناسب ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلے میں آخری "دلیل ربوبیت و الٰہیت" یوں قائم کی تھی کہ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ اچھا اللہ تو سورج مشرق کی طرف سے لاتا ہے تو ذرا مغرب کی طرف سے نکال۔ نمرود میں نہ تو خود ذاتی قدرت تھی کہ وہ سورج مغرب کی طرف سے نکال سکتا اور نہ اس کی دعاؤں ہی میں کوئی اثر تھا اس لئے کہ وہ اللہ کا کوئی مقبول و محبوب بندہ تو تھا نہیں لہٰذا وہی ہوا جو ہونا تھا یعنی نمرود مبہوت ہو گیا اور استدلال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال محض نمرود کے مقابلے میں تھا کہ "تو اگر الٰہ ہے تو مغرب سے سورج نکال دے" لہٰذا اس استدلال کو اسی موقع ومحل اور اسی مخاطب کے ساتھ خاص رکھا جائے گا جس موقع ومحل اور جس مخاطب کے مقابلہ میں یہ استدلال پیش کیا گیا تھا لہٰذا اب اگر رسول کریم ﷺ اللہ کی دی ہوئی قدرت سے یا اپنی استجابت دعا سے سورج کو مغرب سے نکال دیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کی روشنی میں اسے رسول کیلئے دلیل الوہیت سے نہیں تصور کیا جا سکتا۔

مذکورہ بالا ان تحقیقات سے یہ واضح ہو گیا کہ "اموات غیر احیاء" سے وفات یافتہ انسان مراد نہیں جیسا کہ مودودی صاحب سمجھانا چاہتے ہیں بلکہ وہ اصنام مراد ہیں جن کے بارے میں آیت نازل کی گئی ہے لہٰذا اس سے کچھ اور مراد لینا صحیح نہیں ..... اسی طرح ایان یبعثون کا وہ مطلب بیان کرنا جو اپنے ترجمہ میں اور پھر اس کی تشریح میں مودودی صاحب نے اپنی مقصد برآری کے لئے کیا ہے غلط ہے اس لئے کہ یبعثون کی ضمیر کا مرجع اصنام نہیں ہیں بلکہ ان کے پوجنے والے لوگ ہیں اس کا مطلب ہمارے ترجمہ وتشریح سے واضح ہو چکا اسی ترجمہ وتشریح کی تائید میں مدارک وجلالین کے حوالے بھی گزر چکے ہیں اس عبارت کا خلاصہ محض اتنا ہے کہ بتوں کو خبر نہیں کہ ان کی پرستش کرنے والے کب اٹھائے جائیں گے غور فرمایئے بھلا ان بتوں کے بعث کا کیا سوال ہے اس لئے کہ بعث "حیات بعد الممات" کو کہتے ہیں اور پتھر نہ تو حیات کا محل ہیں اور نہ ممات کا ان کو مردہ کہنا محض ان کے بے روح ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے ... اس مقام پر ایک غور طلب امر یہ بھی ہے کہ اگر تفاسیر سے صرف نظر کر کے "اموات غیر احیاء" کو انسان کی صفت قرار دے دی جائے تو سوال ہوگا کہ اموات فرما دینے کے بعد "غیر احیاء" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ یا تو اموات ہی کہا جاتا یا غیر احیاء ہی فرمایا جاتا۔ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہاں محض تاکید مقصود ہے میں عرض کروں گا کہ اگر "تاسیس" کی صورت میں نکل آئے تو پھر تاکید کی صورت پیدا کرنی خلاف اولیٰ ہے آپ کہیں گے کہ تاسیس کی کیا صورت ہے؟ میں عرض کروں گا اس کو بتوں کی صفت قرار دیا جائے یہ بتوں کی صفت ہونے کی صورت میں اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اصنام "اموات غیر احیاء" ہیں یعنی ایسے بے روح ہیں جن پر کبھی حیات طاری ہی نہیں ہوتی اور ہمیشہ

"غیر احیاء" رہے۔ اور اگر یہ الٰہ ہوتے تو "احیاء غیر اموات" ہوتے یعنی ایسے حی ہوتے جن پر کبھی موت طاری ہوتی نہ طاری ہو سکے اس صورت میں غیر احیاء کی قید ایک فائدہ پر مشتمل ہی اگر غیر احیاء نہ بڑھایا جاتا اور صرف اموات کہہ دیا جاتا تو ایک شبہ ہوتا کہ اموات کی صفت میں آنے سے پہلے حیات لازمی ہے اسی لئے تو وہ انسان جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا اموات کے زمرے میں نہیں شامل کیا جاتا اور بتوں میں حیات کی صلاحیت نہیں تو پھر ان کی اموات کیوں کہا گیا غیر احیاء نے جواب دے دیا کہ یہاں اموات سے ایک خاص مفہوم یعنی بے روح ہونا مراد ہے اور ایسا بے روح جو حیات کا محل ہی نہ ہو...... رہ گئے انسان تو ان کی وفات حیات کے بعد کی چیز ہے اس توجیہ سے ایک طرف تاسیس مذکور کا فائدہ ہوگا تو دوسری طرف اللہ کے محبوب بندوں کو "اموات" کہنے سے آیت کریمہ "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ" کی جو خلاف ورزی ہوتی ہے اس سے بھی دامن بچا رہے گا۔

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم گشت از فضل رب

اور اگر کوئی کہے کہ اس آیت میں جن بتوں کا ذکر ہے وہ انسانوں کے نام کے بت تھے تو میں عرض کروں گا بالفرض اگر میں آپ کی بات تسلیم کر لوں جب بھی اس آیت میں "من دون اللہ" سے مراد اصنام ہی ہوں گے (وہ اصنام خواہ کسی کے نام سے ہوں) اور جب مراد اصنام ہی ہوں گے تو "اموات غیر احیاء" انہیں کی صفت قرار پائے گی۔ غور فرمایئے کہ بالفرض اگر کوئی خدا کے نام کے اصنام بنا لے اور ان کی پرستش کرے تو اس کو خدا پرست کہا جائے گا یا اصنام پرست؟ اس کے معبودوں کو اللہ کہیں گے یا "من دون اللہ"؟ ایسوں کے لئے اس آیت کریمہ کو نازل کیا جائے تو کیا اس آیت کا ہر ہر فقرہ اس کے مکمل رد کا حامل نہ ہوگا؟ اور کیا اس وقت "اموات غیر احیاء" سے خدا کی ذات مراد ہوگی؟ اور "ایان یبعثون" سے خدائے عالم الغیب والشہادۃ کی بے خبری کی نشان دہی مقصود ہوگی؟ ان اصنام کی ذات یا ان کی بے خبری نہیں جن کو خدا کے نام پر فرض کر لیا گیا ہے؟ ...... یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر کوئی براہ راست کسی کو پوجے اور اس کے رد میں والذین یدعون من دون اللہ کہا جائے تو "من دون اللہ" سے مراد اس کی ذات ہوگی

جس کی پرستش کی جاری ہے اور اگر کوئی کسی کے نام کے بت کو پوجے اور پھر اس کے لئے کیا جائے والذی یدعون من دون اللہ تو یہاں "من دون اللہ" سے بت ہی مراد ہوں گے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح خدا کے نام کے بت پوجنے سے ذات خداوندی کی تقدیس وتنزیہ پر کوئی حرف آ نہیں سکتا اسی طرح انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کے نام کے بتوں کو بھی پوجنے سے بھی ان کا دامن عظمت و رفعت داغدار نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کوئی ان مقدس بندوں کو براہ راست پوجے جب بھی ان کے دامن پر آنچ نہیں آتی بلکہ صرف پوجنے والا ہی اللہ کے عتاب وعذاب میں آئے گا ....."اموات غیر احیاء" الایۃ سے متعلق مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب زیر بحث میں تو مختصر سا اشارہ کیا ہے ان کا پورا "فکری رجحان" تفہیم القرآن جلد دوم ص ۵۳۳ سے واضح ہوتا ہے اس میں لکھتے ہیں!.....

"یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی یا پتھر کی مورتیاں نہیں بلکہ "اصحاب قبور" ہیں اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں اس لئے ما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں"۔

اس عبارت سے مودودی صاحب بالکل کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصنام شکن آیتوں کو انبیاء شکن، اولیاء شکن، شہداء شکن اور صالحین شکن بنانے میں مودودی صاحب ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالوہاب، اور ابن عبدالحق کے سچے جانشین ہیں جبھی تو اس عبارت میں "اپنا نے مذکورہ بالا" کی روشنی روتی نظر آ رہی ہیں۔

میری گزشتہ تحقیق مودودی صاحب کی اس فکری کجی کو نمایاں کر رہی ہے جو قرآن فہمی کے سلسلے میں ان سے ہوئی یا کسی پنہانی مقصد کے حصول کے لئے دانستہ طور پر انہوں نے کی ہے جس کی نشاندہی ان کی اس عبارت مذکورہ سے ہوتی ہے مودودی صاحب کو یہ گوارہ نہیں کہ اصنام کو اموات کہا جائے بلکہ ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہو جائے کہ انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین سب اموات ہیں۔ مودودی صاحب کی نظر میں کوئی ایسی آیت نہیں جس میں صراحتاً شہداء کرام" چہ جائے کہ انبیاء کرام" کی زندگی کی تصریح اور ان کو اموات کہنے یا سمجھنے کی ممانعت آئی ہو۔ یہ ہے مودودی صاحب کا علم قرآن۔ معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب جب کسی آیت کے ترجمہ وتشریح کا ارادہ کرتے ہیں تو دوسری آیتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض..... کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اصنام وشیاطین کو اموات کہنے میں مودودی صاحب کو بڑی قباحت نظر آئی لیکن شہداء وانبیاء کو اموات کہنے میں کوئی قباحت نہیں دکھائی پڑی فاعتبروا یا اولی الابصار

کیا مودودی صاحب کی طرف سے اس کو "اصنام وشیاطین دوستی" اور "شہداء وانبیاء دشمنی" کہنے کی اجازت ملے گی؟ مودودی صاحب آپ اجازت دیں یا نہ دیں جس کے دل میں خدا کا خوف اور رسول کریم کی عظمت کا تصور ہوگا اس کا ایمانی تقاضہ اسے اس اجازت کا منتظر نہیں رکھے گا..... شہداء کرام وانبیاء عظام اموات یعنی مردے ہیں۔ مودودی صاحب نے اپنے اس عقیدے کے ساتھ ساتھ اس خیال کا بھی اظہار کر دیا کہ "ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ یہ قبروں سے کب نکلیں گے"..... اس خیال کو بھی کھینچ تان کر منصوص کرنے کی کوشش کی ہے یہ عقیدہ بھی دراصل اسی عقیدہ کی شاخ ہے جس کی رو سے انبیاء کرام وغیرہ کو اموات (مردہ) ٹھہرایا گیا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جو مردہ ہوگا وہ بھلا بعث کی کیا خبر رکھے گا اس فاسد خیال کے جواب میں وہی تحقیق کافی ہے جس کی رو سے انبیاء کرام وغیرہ اموات کے دائرے سے باہر احیاء کے زمرے میں شامل نظر آتے ہیں کیا یہ ظاہر نہیں کہ انبیاء کرام کی اخروی "حیات جسمانی" اور اولیاء کرام کی "حیات روحانی" ان کی محبوبیت ومقبولیت کی دلیل ہے اور یہ محبوبیت ومقبولیت ان کی عظمت ورفعت کی

(مردہ) نہیں بلکہ "احیاء" (زندہ) ہیں ان نصوص کی روشنی میں آیت زیر بحث کا مطلب یہی ہوگا کہ اس میں "اموات غیر احیاء" صرف بتوں کو کہا گیا ہے لہٰذا اس کو انبیاء و شہداء پر چسپاں کرنا شقاوت قلبی کی دلیل اور کتاب و سنت کے مزاج کے خلاف کلام الٰہی کی توجیہ کرنی ہے جو کھلی ہوئی تحریف ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار وانصفوا یا اهل الانصاف

۵) ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (قصص: آیہ ۸۸)

یعنی، اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہ پوج اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ خطاب بظاہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے لیکن مراد آپ کے اہل دین ہیں۔ اس خطاب سے رسول کی عصمت مجروح نہیں ہوتی اس لئے کہ عصمت کے باوجود نہی میں کوئی مضائقہ نہیں۔ الحاصل عصمت مانع نہی نہیں (مدارک کا حاصل)۔ یہ آیت ان تمام آیتوں کی تفسیر ہے جن میں بظاہر ماسوی اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا گیا ہے اس آیت نے بتادیا کہ کسی کو الٰہ کہہ کر پکارنا بلفظ دیگر پوجنا منع ہے نہ کہ صرف پکارنا۔

۶) ﴿وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ[2] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ[3] شُرَكَآءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

---

[1] تعبد (جلالین) یعنی لا تدع لا تعبد (بت پوج) کے معنی میں ہے۔ اشار بذلك ان المراد بالدعاء عبادة فحينئذ فليس فى الاية دليل على ما زعمه الخوارج من ان الطلب من الغير حيا او ميتا شرك فانه جهول مركب لان سوال الغير من حيث اجراء الله النفع والضرر على يده قد يكون واجبا لانه من التمسك بالاسباب ولا ينكر الاسباب الا جحود او جهول (حاشیہ جلالین) لا تدع میں تدع کا معنی تعبد تا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے لہٰذا یہ آیت خارجیوں کے اس گمان کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ غیر (خواہ با حیات ہو یا وفات یافتہ) سے طلب شرک ہے، اس لئے کہ یہ گمان جہل مرکب ہے کیونکہ غیر سے طلب کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ نفع و ضرر کو اس کے ہاتھ پر جاری فرمادے کبھی واجب ہو جاتا ہے اسلئے کہ یہ تمسک بالاسباب ہے اور اسباب کا منکر جاحد و جاہل کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

[2] یعبدون (جلالین) یعنی یدعون کا معنی یعبدون (پوجتے ہیں) ہے۔

[3] ای غیرہ اصنام (جلالین) یعنی اس مقام پر "من دون اللہ" سے مراد اصنام (بت) ہیں۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ (یونس: آیہ ۶۶)

یعنی، اور کاہے کے پیچھے جا رہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پوج رہے ہیں وہ تو پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

مدارک نے "یدعون" کو "یسمعون" کے معنی میں لیا ہے۔ مدارک کی تشریح کا حاصل یہ ہے۔ یہ کفار اللہ کے سوا جن کو اللہ کا شریک کہہ رہے ہیں در حقیقت وہ اللہ کے شریک نہیں اس لئے کہ ربوبیت والوہیت میں کسی اور کا "شریک اللہ" ہونا محال ہے ہاں بس ان کا گمان ہے کہ وہ اللہ کے شرکاء ہیں[1]۔ ان مشرکین کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں بس ان کے پنڈت وغیرہ اپنے گمان کی اور ان کے ماننے والے اپنے بڑوں کے گمان کی پیروی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقائد میں ظن و قیاس کافی نہیں کتاب و سنت درکار ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی کے مقابلہ میں قیاس کرنا کفار کا طریقہ ہے اس قسم کا قیاس کرنے والا سب سے پہلا شیطان ہے اس نے رب کے مقابل قیاس کیا۔

آپ نے آیات مذکورہ کو ان کی تشریحات کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیا اب یہ حقیقت آپ پر واضح ہوگئی ہوگی کہ آیات کریمہ میں دعا بمعنی عبادت ہے لہٰذا "یدعون" کا ترجمہ "یعبدون" اور "لا تدع" کا ترجمہ "لا تعبد" کیا جائے گا۔ ان آیات میں جو آخری آیت ہے اس میں "یدعون" کا معنی "یسمعون" بھی بتایا گیا ہے لہٰذا اس آیت میں جہاں دعا بمعنی عبادت کا احتمال ہے وہیں دعا بمعنی تسمیہ کا بھی امکان ہے لیکن نتیجے کے لحاظ سے دونوں کا مفہوم ایک ہے ..... "یدعون" "یعبدون" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کی تائید میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول پیش کر چکا ہوں نیز یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ دعا قرآن کریم میں کئی معنی میں مستعمل ہیں۔ اتقان و مدارک سے اخذ کر کے اس کے نو معانی کی طرف اشارہ بھی کر چکا ہوں۔ لہٰذا "الدعاء" کو ندا (پکارنا) اور سوال و دعا (دعا مانگنا) کے معنی میں خاص کر دینا اگر ایک طرف غیر صحیح ہے تو دوسری طرف کسی نہ

---

[1] مدارک کے الفاظ یہ ہیں ما نافية اى ما يتبعون حقيقة الشركاء وان كانوا يسمونها شركاء لان شركة الله فى الربوبية محال ..... الا ظنهم انهم شركاء الله ..... او استفهامية اى واى شئ يتبعون۔

کسی حد تک ''خارجیت نوازی'' بھی ہے..... مودودی صاحب نے اس مقام پر ان آیات مذکورہ کی جو تشریح کی ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ ''الدعاء'' کو اس مقام پر ندا (پکارنے) اور سوال و دعا (دعا مانگنے) کے معنی میں لے لیا جائے لیکن اوپر کی تحقیق نے یہ واضح کر دیا کہ مودودی صاحب کی بنیادی غلطی ہے جس کا مقصد اپنے فکری رجحانات کو قرآن کریم کے سر تھوپنا ہے اور ظاہر ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

یہ ہے مودودی صاحب کی قرآن فہمی کی ایک جھلک۔ دوسری چیز جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام آیات میں ''من دون اللہ'' سے مراد اصنام ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیتیں خاص کر کے بت پرستوں کے رد و ابطال کے لئے نازل فرمائی گئی ہیں لیکن ''مودودی تشریحات'' سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات کے ''من دون اللہ'' میں ملائکہ وغیرہ بھی داخل ہیں بلکہ تفہیم القرآن کے گزرے ہوئے حوالے نے تو انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین کو بھی نہیں چھوڑا اس حوالے نے واضح کر دیا کہ ''وفات یافتہ انسان'' سے مودودی مراد کا دائرہ کہاں تک پہنچتا ہے! یہ مودودی صاحب کی قرآنی مفہوم و مراد میں کھلی ہوئی تحریف ہے۔ شاید بلکہ یقیناً ان کا منشا یہ ہے کہ جن آیات سے بت شکنی قرآن کا مقصود ہے انہی آیات کو انبیاء شکنی اور اولیاء شکنی کی تمہید بنائی جائے! مودودی صاحب کے دل کے راز کو آپ تفہیم القرآن کی عبارت منقولہ سے سمجھ چکے ہیں آیئے کچھ اور بھی ملاحظہ فرمایئے اور انہی کے قلم سے، لکھتے ہیں:

''یہاں دعا کے مفہوم اور اس امداد کی نوعیت کو سمجھ لینا ضروری ہے جس کی اللہ سے توقع کی جاتی ہے اگر مجھے پیاس لگتی ہے اور میں اپنے خادم کو پانی لانے کے لئے پکارتا ہوں یا اگر میں بیمار ہوتا ہوں اور علاج کے لئے ڈاکٹر کو بلاتا ہوں تو اس پر دعا کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی خادم یا ڈاکٹر کے الٰہ بنانے کے ہیں لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو الٰہ بناتا ہے اور اس سے دعا مانگنا ہے کیونکہ جو ولی صاحب مجھ سے سینکڑوں میل دور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں ان کو پکارنے کا معنی یہ

ہے کہ میں ان کو سمیع و بصیر سمجھتا ہوں اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ عالم اسباب پر ان کی فرمانروائی قائم ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا میری بیماری دور کر دینے کا انتظام کر سکتے ہیں''۔ (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ١٩-٢٠)

مودودی صاحب کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کو دور سے پکارنا ان کو الٰہ بنانا ہے، اس کی دو وجہ ہے[1]

١- ان کو سمیع و بصیر سمجھنا۔

٢- عالم اسباب پر ان کی فرماں روائی تسلیم کرنا۔

اس تحریر کے بطن سے یہ بات بھی پیدا ہوتی ہے کہ سمیع و بصیر اور عالم اسباب پر حکمران ہونا اِلٰہ ہونا ہے لہٰذا کسی دوسرے کا سمیع و بصیر اور عالم اسباب پر فرمانروا ہونا محال ہے نیز اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ کسی کو سمیع و بصیر یا عالم اسباب پر فرمانروا بنا سکے اس لئے کہ کسی کو سمیع و بصیر اور عالم اسباب پر فرمانروا بنانا بقول مودودی اس کو الٰہ بنا دینا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ دوسرا الٰہ کیسے بنا سکتا ہے! ..... اب اگر نصوص یہ ثابت کر دیں کہ اللہ نے اپنے بعض بندوں کو سمیع و بصیر بھی بنایا اور عالم اسباب پر حکمراں بھی تو جہاں یہ ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر بنانے پر قادر ہی نہیں بلکہ بنا بھی دیا وہاں مودودی نقطہ نظر سے یہ لازم آئے گا کہ خدائے عزوجل نے دوسرا خدا بنا دیا[2] (معاذ اللہ) اس مقام پر مودودی صاحب کے لئے فلاح کی صورت تو یہ تھی کہ وہ وہی کہتے جو اہل حق کہتے رہے ہیں کہ سمیع و بصیر اور فرمانروائے عالم اسباب ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک بذات خود ہونا اور دوسرے کسی کی عطا سے۔ اول صفت اِلٰہ، دوم صفت بندہ اِلٰہ۔ اول جس میں مانا اس کو اِلٰہ ماننا۔ دوم جس میں مانا اس کو بندہ اِلٰہ ماننا۔ نصوص میں غیر سے اول کی نفی ہے اور ثانی کا ثبوت ہے

[1] مودودی صاحب کے یہاں سے نیا! یہ قرآن و سنت سے منصوص نہیں جبھی تو وہ کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ بلکہ نصوص کے مقابلے میں اپنے قیاس کو استعمال کیا ہے۔

[2] نیز مودودی صاحب کے نزدیک اس ''مودودی نظریہ'' سے خدا کو سمیع و بصیر کہنے والے سے زیادہ مجرم تو خدا تعالیٰ ہوگا جس نے اپنے بندے کو سمیع و بصیر اور اسباب پر حکمران بنایا۔

(ثبوت کی ضرورت) کے ملاحظہ فرمائیے گا) اس صورت میں خدائے تعالیٰ کے دامن تقدس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور اگر نصوص سے صرف نظر کر کے کہا جائے کہ یہ تو ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ دوسرے کو سمیع و بصیر بنا دے لیکن اس نے بنایا نہیں اس صورت میں بھی اتنا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی محبوب بندے کو سمیع و بصیر سمجھنا اس کو شریک خدا نہیں سمجھنا ہے اس لئے کہ شریک خدا کا وجود محالات سے ہے اور محالات تحت قدرت نہیں...... الحاصل کم سے کم درجے میں اس بات کو مان لینے پر بھی "اولیاء دشمنی" کا مودودی تخیل تباہ ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر مودودی صاحب کو چند سوالات کے جوابات کی بھی وضاحت کر دینی چاہئے تھی کہ انہوں نے دعا کے مفہوم یا امداد کی نوعیت کی جو تصویر کشی کی ہے اس کے پیچھے قرآن و سنت کی کون سی نص ہے؟ اولیاء کرام اپنی جملہ توانائیوں اور جملہ اختیارات و تصرفات کے ساتھ جو انہیں بارگاہ الٰہی سے ملے ہیں کیا عالم اسباب سے خارج ہیں؟ اور سلسلہ اسباب کی کڑی نہیں؟ اگر نہیں تو قرآن و سنت سے دلائل پیش کرتے اور اگر ہیں تو پھر ان کو بلانا اور ان کی مدد چاہنا ان کو الٰہ بنانا کیسے ہو گیا؟ جب کہ ڈاکٹر کو بلانا اور اس سے مدد چاہنا اس کو الٰہ بنانا نہیں۔ اچھا دور والوں کو تو فی الحال اپنے مقام پر رہنے دیجئے اگر کوئی بیمار اپنے قریب بیٹھے ہوئے ولی کو پکارے اور اس سے مدد چاہے تو یہ اس کو سمیع و بصیر سمجھنا نہیں ہوا لہٰذا اس خاص بیمار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ۱؎؟ کیا اس نے اس ولی کو الٰہ سمجھا ہے یا مقبول الٰہ؟ تشنگی فرو کرنے کے لئے کیا پانی ہی پہونچانا ضروری ہے اس کے بغیر پیاس نہیں بجھائی جا سکتی؟ بیماری کی صحت کے اسباب میں جس طرح ڈاکٹر اور اس کی دوائیں ہو سکتی ہیں اسی طرح اس کے اسباب میں سے اولیاء کرام کی دعائیں اور عنایتیں نہیں ہو سکتیں؟...... مودودی صاحب اگر تمام سوالوں کے جوابات قرآن و سنت سے منصوص کر کے بیان کر دیتے تو بہت سی پوشیدگیوں سے حجابات اٹھ جاتے۔

اس مقام پر مودودی صاحب نے ولی کا ذکر تو مثال کے طور پر کر دیا ہے ورنہ ان کا یہ

۱؎ اسی طرح اس بیمار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی ولی کامل کے مزار شریف پر حاضر ہو کر خیر و برکت اور صحت و عافیت کی درخواست کرتا ہے۔

طریق استدلال اور حوالہ تفہیم القرآن کی تصریح نبی کو بھی اس صف میں لاتی ہے جس صف میں مودودی صاحب نے دیوتا کو رکھا ہے اور بڑی فنی چابک دستی سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے لئے ہمارے نوکر اور ڈاکٹر جتنے کام کے ہیں اپنے مزاروں میں ۱؎ آرام فرمانے والے اللہ کے مقبول بندے اتنے بھی کام کے نہیں خواہ وہ آرام فرمانے والے اولیاء ہوں یا انبیاء۔ یہ تو انہی لوگوں کے خیال کی ترجمانی ہے جو کہا کرتے تھے ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ہمارے لئے زیادہ مفید ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے...... لب ولہجہ بدلا ہوا ہے لیکن دونوں نظریوں میں ایک ہی روح ہے جو رقص کر رہی ہے...... اب چند تاریخی حقائق کے تراشے پیش کروں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ اللہ کے محبوب بندے عالم اسباب کی اہم ترین کڑیاں بھی ہیں اور عالم کے بہت سے امور پر متصرف بھی، نیز خوارق و کرامات کا سرچشمہ بھی اور ان سب کے تاجدار ہیں تاجدار مدینہ ﷺ جن کو قرآن نے "رحمۃ للعالمین" فرما کر سارے عالم کون کا محتاج بنا دیا ہے اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کروں گا۔

۱- حضرت انس فرماتے ہیں کہ اسید بن حضیر اور عباد بن بشر کسی ضرورت کے متعلق کچھ رات گئے تک حضور کے پاس باتیں کرتے رہے اس میں ایک پہر رات گزر گئی رات بہت زیادہ تاریک تھی جب حضور کے پاس سے چلے گئے تو واپسی میں ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی تھی ایک کی لاٹھی فوراً روشن ہو گئی اور دونوں اس روشنی میں چلتے رہے جب راستے میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہو گئی اور ہر شخص اپنی لاٹھی کی روشنی میں چل کر گھر تک پہنچ گیا۔
(رواہ البخاری، مشکوٰۃ باب الکرامات ص ۵۴۴)

ایسے ہی لوگوں سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا ہوگا!...

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی بصیرت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

۱؎ یہ قید اتفاقی ہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک دور رہنے والے باحیات اولیاء کرام بھی اسی حکم میں ہیں۔

۲- حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب جنگ احد پیش آئی تو رات ہی سے میرے باپ نے مجھے بلا کر کہا کہ میرا خیال ہے کہ تمام صحابیوں میں سب سے پہلے میں ہی مارا جاؤں گا اور میری نظر میں اپنے بعد بہ استثنائے نبی کریم کوئی تجھ سے زیادہ عزیز نہیں مجھ پر کچھ قرض ہے اسے تم ادا کر دینا اور اپنی بہنوں سے اچھا سلوک کرنا جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے باپ ہی شہید ہوئے اور حضور نے ایک شخص کے ساتھ ملا کر ایک قبر میں ان کو دفن کر دیا (رواہ البخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۳) ... یہ ہے حضرت جابر کے والد محترم کا علم ما فی الغد کہ کل کیا ہوگا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی شہادت اور پھر سب سے پہلی شہادت کے علم کے ساتھ یہ بھی علم تھا کہ اس غزوہ میں حضرت جابر (ان کے فرزند) شہید نہ ہوں گے جبھی تو وصیت کی۔

۳- حضرت ابن منکدر سے مروی ہے کہ رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ لشکر کا راستہ بھول کر سرزمین روم میں چلے گئے اور پھر وہاں سے بھاگ کر لشکر کی تلاش میں نکل پڑے اچانک ایک شیر آ گیا حضرت سفینہ نے شیر سے کہا اے ابو الحارث میں رسول اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں میرا یہ واقعہ گزرا ہے۔ شیر یہ سنتے ہی دم ہلاتا (اظہار محبت کرتا) سامنے آ گیا اور حضرت سفینہ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا (اور آپ کی رہبری کے لئے چلنے لگا) اگر کوئی آواز سنائی دیتی تو فوراً اس طرف چل دیتا (تاکہ اگر کوئی خطرناک چیز ہو تو اس کو دفع کر کے حضرت سفینہ کو اس سے بچائے) اور پھر حضرت سفینہ کے برابر آگے چلتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ لشکر تک پہونچ گئے اور شیر واپس چلا گیا (رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص ۵۴۵) ...... حضرت سفینہ نے شیر سے یہ نہیں کہا کہ میں "اللہ کا بندہ ہوں" بلکہ یہ فرمایا کہ میں "رسول کا غلام ہوں" اس لئے کہ مومن کا طرۂ امتیاز رسول کریم کی غلامی ہی ہے صرف خدا کا بندہ ہونا نہیں۔ ابو جہل اور ابو لہب بھی تو خدا کے بندے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ جو نبی کا غلام ہوگا وہ لازمی طور پر خدا کا بندہ ہوگا۔ اس کے برعکس نہیں کہ جو خدا کا بندہ ہو وہ نبی کا غلام بھی ہو ...... شیر نے رسول کے ایک غلام کی غلامی کر کے ثابت کر دیا کہ وہ بھی رسول کی رسالت کا عارف اور سلطنت مصطفویہ کی ایک رعایا ہے۔ یہ ہے شیران مصطفیٰ کی

شیران بادیہ پر حکمرانی!

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

۴- حضرت ابو الجوزاء کہتے ہیں کہ ایک بار اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور ام المومنین حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر (اپنی مفلوک الحالی کی) شکایت کی ام المومنین نے فرمایا روضہ اطہر پر جاؤ اور قبر کے اوپر حجرہ کی چھت میں چند سوراخ کھول دو تاکہ مزار پاک اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی، خوب بارش ہوئی، سبزہ اگا، اونٹ تندرست ہو گئے اور چربی کے مارے ان کی کوکھیں پھول گئیں۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الفتوق" کہا جاتا ہے (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ ص ۵۴۵)

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

۵- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے کچھ فوج جہاد کے لئے حضرت ساریہ کی ماتحتی میں روانہ کی۔ ایک روز حضرت عمر خطبہ پڑھ رہے تھے یکایک چلا اٹھے یا ساری الجبل" ساریہ پہاڑ، ساریہ پہاڑ کو دیکھ! کچھ دنوں کے بعد لشکر کی طرف سے قاصد آیا اور کہنے لگا امیر المومنین جب ہمارا مقابلہ دشمن سے ہوا تو انہوں نے ہمیں شکست دے دی، اسی درمیان کسی چیخنے والے کی ہم کو آواز سنائی دی۔ ساریہ پہاڑ ساریہ پہاڑ! آواز کو سنتے ہی ہم نے پہاڑ سے پشتیں لگا دیں اور خدا تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ ص ۵۴۶)

حضرت عمر نے دور والے کو پکارا، لفظ یا کے ذریعہ پکارا، یہ سمجھ کر پکارا کہ وہ سن رہا ہے، منبر رسول پر پکارا، اکابر صحابہ و تابعین بالخصوص حضرت عثمان غنی و علی المرتضیٰ کے سامنے ("مرقات حاشیہ مشکوٰۃ" ماخوذ از کتاب مشکوٰۃ ص ۵۴۶) پکارا، اور حالات جنگ کا مشاہدہ فرما کر پکارا ...... یہ ہیں ان سننے والوں کا بفضل الٰہی سمیع ہونا اور حضرت عمر کا بصیر ہونا، نیز سینکڑوں میل دور رہ کر مشکل کشائی فرمانا۔ حاضرین میں سے کسی نے بھی حضرت عمر کے اس فعل کو ممنوع و شنیع بھی نہیں قرار دیا چہ

جانے کہ "فقر و شرک اور ضلالت گمراہی" اور نہ کسی کو کوئی حیرت ہوئی اور نہ کوئی ایسا عجیب و غریب واقعہ سمجھا گیا جس کا گھر گھر ہر زبان پر چرچا ہو بلکہ قاصد کے آنے کے بعد آپ کے علم و مشاہدہ اور پھر آواز سے کرشمہ نمائی کرنے کی تصدیق ہوئی ..... یقیناً اللہ نے اپنے فضل سے حضرت عمر کو بوقت جنگ سیکڑوں میل دور سے، فتح و کامرانی کا سبب بنا دیا اور دونوں وادیوں کا محکوم بنا دیا کہ وہ ان کی آواز کو ہر لشکری کے کان تک بغیر کسی تاخیر کے پہونچا دیں تو یہ سبب بھی ہیں اور حاکم اسباب بھی۔ اب پتہ نہیں کہ مودودی صاحب کے نزدیک حضرت عمر نے حضرت ساریہ کو اللہ سمجھا..... یا خود کو!

۶- امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دعوت اسلام دی اس نے جواب دیا کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاتا یہاں تک کہ میری بیٹی زندہ کی جائے آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھا اس نے قبر دکھائی آپ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا لڑکی نے قبر سے نکل کر "لبیک وسعدیک" کہا (تیری طاعت کے لئے اور تیرے دین کی تائید کے لئے حاضر ہوں) پس سرکار نے فرمایا کیا تو پسند کرتی ہے کہ دنیا میں پھر آجائے، اس نے عرض کیا یارسول اللہ قسم ہے اللہ کی میں نے اللہ کو اپنے والدین سے بہتر پایا (مواہب لدنیہ از سیرت رسول عربی ص ۳۴۴) ..... حافظ ابو نعیم نے کعب ابن مالک سے روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ بہ لفظ مختصر یہ ہے کہ حضرت جابر نے ایک بار حضور کی ضیافت میں ایک بکری ذبح کردی، ایک جماعت آپ کے ساتھ شریک طعام تھی" کھانے پینے کے بعد اس کی ہڈیوں کو جمع کرکے نبی کریم نے زندہ فرمادیا وہ بکری پھر ویسی کی ویسی ہوگئی (خصائص الکبریٰ جزء ثانی ص ۶۷ از سیرت رسول عربی ص ۳۴۴، ۳۴۵) ..... یہ ہے رسول کی "شان احیائی" اور مالک احیاء ہونا یہ بھی کیا رحمۃ للعالمینی ہے کہ ایک بکری کا گوشت ایک جماعت کو کفایت کرگیا، حضرت جابر کو ضیافت کا ثواب ملا اور پھر بکری بھی زندہ واپس مل گئی۔

۷- جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے حضور نے ان کو ایک لکڑی عنایت فرمائی جب حضرت عکاشہ نے ہاتھ میں

لے کر اس کو ہلایا تو وہ ایک سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی جس سے وہ جنگ کرتے رہے، اس تلوار کا نام عون تھا، حضرت عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کرتے تھے (سیرت ابن ہشام از سیرت رسول عربی ص ۳۴۷) ..... جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی آنحضرت نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس کے ساتھ وہ جنگ کرتے رہے (استیعاب واصابہ از سیرت رسول عربی ص ۳۴۷) ..... ایک روز آنحضرت ﷺ نماز عشاء کے لئے نکلے رات اندھیری تھی اور بارش ہو رہی تھی حضرت قتادہ بن نعمان انصاری بھی شریک جماعت رہے واپسی میں آپ نے ان کو ایک کھجور کی ڈالی دی اور فرمایا یہ ڈالی دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی، جب تم گھر پہونچو تو اس میں ایک سیاہ شکل دیکھو گے اس کو مار کر نکال دینا کیونکہ وہ شیطان ہے جس طرح حضور نے فرمایا اسی طرح ظہور میں آیا (شفا شریف، مسند امام احمد از سیرت رسول عربی صفحہ ۳۴۷) ..... آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک مشکیزہ لیا اس کا منھ باندھ کر دعا فرمائی اور صحابہ کرام کو عطا فرمایا جب نماز کا وقت آیا تو انہوں نے اسے کھولا کیا دیکھتے ہیں کہ بجائے پانی کے اس میں تازہ دودھ ہے اور اس کے منھ پر جھاگ آرہی ہے (شفا شریف وابن سعد از سیرت رسول عربی ص ۳۴۷-۳۴۸) ..... یہ ہے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی انقلاب اعیان پر قدرت و اختیار کی ایک جھلک۔

۸- امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ معرض بن معیقیب یمانی سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کیا اور مکہ میں ایک گھر میں داخل ہوا میں نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سے ایک عجیب امر دیکھنے میں آیا، اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک بچہ لایا جو اسی دن پیدا ہوا تھا آپ نے اس سے پوچھا اے بچے! میں کون ہوں وہ بولا آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تجھے برکت دے، پھر اس کے بعد اس بچے نے کلام نہ کیا یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا (مواہب لدنیہ از سیرت رسول عربی ص ۳۴۶)۔
یہ ہے رسول کریم کا اختیار کہ ایک بے شعور بچے سے بھی اپنی رسالت کی گواہی حاصل کرلی۔

۹- آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی نکلنے کا واقعہ اور ہزاروں پیاسوں کے

سیراب ہونے کا واقعہ بار بار مختلف جگہوں میں جماعت کثیرہ کے سامنے ظہور میں آیا اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو لیلیٰ انصاری، حضرت زیاد بن حارث الصدائی اور حضرت ابو عمرہ انصاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جس سے یہ قطعی الثبوت ہے (سیرت رسول عربی ملخصاً ص ۳۱۹، ۳۲۰)

۱۰- صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں بصراحت تام "معجزہ شق القمر" کا یہ قصہ مذکور ہے کہ رات کے وقت کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی نشان طلب کیا جو آپ کی نبوت پر شاہد ہو پس آپ نے ان کو یہ معجزہ دکھلایا۔ اس معجزے کے راوی حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت انس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ان میں سے پہلے چار صحابہ نے تو بچشم خود دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کے لئے وقوع نہیں آیا اور بطریق تواتر ثابت ہے (سیرت رسول عربی ص ۳۲۱، ۳۲۲)...... اسی طرح رد الشمس (سورج کو پلٹا لینا) بھی آپ کا معجزہ ہے حدیث رد الشمس شفاء و مواہب اور خصائص کبریٰ میں منقول ہے اس حدیث کو امام طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح کہا ہے اور ابن مندہ و ابن شاہین اور طبرانی نے اسے ایسی اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے جن میں سے بعض صحیح کی شرط پر ہیں اور ابن مردویہ نے اسے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے...... رد الشمس کی طرح حبس الشمس (آفتاب کو ایک جگہ پر روک دینا) بھی آنحضرت کے لئے وقوع میں آیا۔ چنانچہ شب معراج کی صبح کو جب کفار قریش نے اپنے قافلوں کے حالات پوچھے آپ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا کہ وہ چہارشنبہ کے دن آئے گا قریش نے اس دن انتظار کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ قافلہ نہ آیا اس وقت آپ نے دعا فرمائی تو اللہ نے سورج کو ٹھہرا رکھا اور دن میں اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ آ پہنچا۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اسماعیل بن عبدالرحمن سے بطریق ارسال نقل کیا ہے (شفا شریف، مواہب لدنیہ، خصائص الکبریٰ از

سیرت رسول عربی ملخصاً ص ۳۲۳-۳۲۴)۔

ان سارے واقعات کے علاوہ بیماروں کو شفا دینا، طعام قلیل کو کثیر بنا دینا، مستجاب الدعوات ہونا، نباتات کی طاعت و کلام اور ان کا سجدہ، مثلاً اونٹ کی شکایت اور سجدہ، بکری کی طاعت اور سجدہ، بھیڑیے کی شہادت اور طاعت، شیر کی طاعت، نباتات کا کلام و طاعت اور سلام و شہادت، جمادات کی طاعت اور تسبیح و سلام وغیرہ وغیرہ جن سے کتب احادیث و سیر بھری پڑی ہیں جن کا احصار و استیعاب بڑا دشوار امر ہے۔ جن میں بعض کی مدلل و محقق انداز میں حوالہ جات کی روشنی میں "سیرت رسول عربی" میں بیان کیا گیا ہے جو تفصیل چاہے اس کو ملاحظہ کرے۔ اسی طرح ان متعدد آیات و احادیث کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جملہ اختیارات و اقتدارات جو ایک ممکن کے لئے ممکن تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب بندوں میں حسب مشیت تقسیم فرما دیا ہے اور سب کا جامع بنا دیا ہے تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو (ملاحظہ ہو الامن والعلیٰ) مذکورہ بالا حقیقتوں کے سمجھنے والوں کے لئے مودودی صاحب کے خیال فاسدہ کا جواب بہت آسان ہے اور اس سلسلے میں ان کو اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کے تصرف و اختیار کا سارا عمل سلسلہ اسباب کے تحت ہے نہ کہ اس کے مافوق۔[1]

گو ہمارا فہم و ادراک ان کی امداد کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے اور ہماری آنکھیں اس کا مشاہدہ نہ کر سکیں ان کو سمیع و بصیر سمجھنا یا ان میں سے کسی کو سارے عالم اسباب کا فرمان روا یقین کرنا یا ان کی حاجت پوری کرنے کے اسباب کو حرکت دینے کی توانائی کا مالک ماننا ان کو سلسلہ اسباب کی کڑی سے نہیں نکال دیتا جب ایسا ہرگز ہرگز ان کو الٰہ سمجھنا نہیں اس لئے کہ یہ مودودی صاحب خود ہی تسلیم

۱؎ اللہ کے محبوب بندوں کے تصرف و اختیار کی جو نوعیت آیات و احادیث سے ثابت ہے، جس کی طرف اشارہ گزر چکا اگر اسی کو "مافوق الاسباب تصرف و اختیار" سے موسوم کیا جائے تو پھر اس قول میں کیا مضائقہ ہے کہ اللہ کے محبوب بندے "اس طرح کے مافوق الاسباب اختیارات و اقتدارات" کے مالک ہیں؟ الفاظ و عبارات بدلنے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی۔

کر رہے ہیں کہ سلسلہ اسباب کے تحت کسی کی حاجت روائی چاہنا اس کو الٰہ بنانا نہیں لیکن اگر بغیر ثبوت علمی، مودودی صاحب اس بات پر مصر ہو جائیں کہ یہ محبوبان بارگاہ سلسلہ اسباب کی کڑی نہیں ہیں تو ان کی یہ ضد اس کے لئے کیا مضر ہو سکتی ہے جو ان کو سلسلہ اسباب کی اہم ترین کڑی تصور کرتا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ یہ محبوبان بارگاہ سلسلہ اسباب کی وہ کڑیاں ہیں جو بہت سارے اسباب کو حرکت میں لانے کی توانائی بھی رکھتی ہیں۔ ...... اور یہ تو بہت واضح بات ہے کہ سبب مقدم سبب موخر کا محرک ہوتا ہے تو اگر پہلا سبب دوسرے سبب کو حرکت دینے کی قوت نہ رکھے تو سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے اس کو بالکل سامنے کی مثال سے سمجھئے۔ آپ نے منہ سے آواز نکالی سامنے والے نے سن لی لیکن غور تو فرمایئے کہ اتنی سی مسافت کو طے کرنے میں کتنے اسباب متحرک ہو گئے۔ طبیعت نے بولنے کا خیال کیا، دماغ میں الفاظ آئے، خیال ارادہ بنا، ارادے نے عزم کی صورت اختیار کی، عزم نے زبان کو حرکت دی، منہ کے اندر کی ہوا متاثر ہوئی، مطلوبہ لفظوں کی شکلیں تیار ہوئیں، منہ کی ہوا اپنے قرب و متصل جو ہوا تھی اس کو متاثر کیا اور لفظوں کی امانت اس کے سپرد کر دی اس نے اپنے قرب کو متاثر کیا اور لفظوں کے پیادے کو آگے بڑھایا، اسی طرح یہ تاثیر و تاثر کا معاملہ سامع کی کان کی ہوا تک پہونچا اس نے سامع کی قوت سامعہ کی گھنٹی کو بجایا، دماغ نے لفظوں کا ادراک کیا اور پھر سامع نے لفظوں کو سمجھا لیکن اس حرکت دینے یا حرکت کرنے سے نہ تو حرکت دینے والا الٰہ ہوا اور نہ حرکت کرنے والا اس کو پوجنے والا ...... بلکہ الٰہ در حقیقت وہی ہے جو ساری کائنات کو حرکت دے رہا ہو لیکن خود حرکت و سکون سے منزہ ہو تو پھر اگر ہم نے کسی عظیم المرتبت شخصیت کو ساری کائنات کا بفضل الٰہی حرکت دینے والا تسلیم کیا اور حرکت و سکون کا صانع بھی مانا تو ہمارے نزدیک اس کو کائنات کا محرک اول بلفظ دیگر "سبب اول" تو کہا جا سکتا ہے لیکن الٰہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب وہ خود قابل حرکت ہے تو محتاج محرک ہوا پھر من کل الوجوہ غنی نہ رہا اور جو من کل الوجوہ غنی نہیں وہ الٰہ نہیں۔ اس گفتگو میں الٰہ سے میری مراد وہ ہے جو واقعۃً مستحق عبادت ہو...... جن نادانوں نے اس راز کو نہیں سمجھا انہوں نے ایسوں کی بھی پرستش شروع کر دی جن کے اندر وہ شان نہیں تھی جو ایک الٰہ میں عقل سلیم کے نزدیک ہونی چاہئے بلکہ ان میں سے اکثر

کثیر لوگ اس پستی پر بھی اتر آئے کہ ایسوں کی پرستش شروع کر دی جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی نہ اڑا سکیں، اور اس پر غضب یہ ہوا کہ ان سبھوں نے اپنے اس کردار کو دانائی کے خلاف نہیں سمجھا اور غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دے دیا۔ الحاصل غیر خدا کی الوہیت بغیر "پرستش یا اعتقاد پرستش" کے متصور نہیں، اسی طرح شرک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ غیر خدا کی ذات کو خدا کی ذات جیسی یا اس کی کسی صفت کو خدا کی کسی صفت کی طرح نہ مان لیا جائے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۷۔ ﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ[۱] مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ[۲] اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا[۳] آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ (الاحقاف، آیۃ ۲۷-۲۸)

یعنی، اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیں تمہارے آس پاس کی بستیاں اور طرح طرح کی نشانیاں لائے کہ وہ باز آئیں تو کیوں نہ مدد کی ان کی جن کو انہوں نے اللہ کے سوا قرب حاصل کرنے کو معبود ٹھہرا رکھا تھا بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے یہ ان کا بہتان و افتراء ہے۔

بت پرست کہا کرتے تھے کہ بت چھوٹے خدا ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا خدا۔ ان بتوں کی پوجا سے ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوگا اور اگر کسی وقت بڑا خدا ہم سے ناراض ہوگا تو یہ بت ہمیں اس کے عذاب سے بچا لیں گے ارشاد ہوا کہ اگر یہ سچے تھے تو ان کے بتوں نے ان کو عذاب سے کیوں نہیں بچایا۔ لفظ آلہۃ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو محض ذریعہ قرب الٰہی سمجھنا شرک نہیں بلکہ خدا کے سوا کسی اور کو الٰہ یا معبود ماننا شرک ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسی کو ذریعہ قرب سمجھنا چاہئے جو واقعۃً ذریعہ ہو اور جس کا ذریعہ قرب ہونا یقینی ہو لہٰذا ایسوں کو ذریعہ بنانا یا سمجھنا جو خود اپنی بھی خبر نہ رکھتے ہوں ...... یا ...... کسی حال میں بھی ذریعہ تقرب نہ بن سکتے ہوں جیسے اصنام و

۱ یا اھل مکۃ (مدارک) یعنی مخاطب اہل مکہ ہیں جو بت پرست تھے۔
۲ وھم الاصنام (جلالین) یعنی آیت میں "من دون اللہ" سے مراد اصنام (بت) ہیں۔
۳ ای اتخاذھم الاصنام الھۃ قربانا (جلالین) یعنی ان کا بتوں کو اللہ سے قرب حاصل کرنے۔

شیاطین وغیرہ کھلی ہوئی جہالت ہے۔

۸۔ ﴿وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ﴾

(یٰس آیۃ ۲۲-۲۳)

یعنی اور مجھے کیا ہے کہ اس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو پلٹنا ہے کیا اللہ کے سوا اور معبود ٹھہراؤں کہ اگر رحمٰن میرا کچھ برا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔

قوم نے حبیب نجار کی تبلیغی گفتگو سن کر ان سے کہا کہ تو بھی ان لوگوں پر ایمان لے آیا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ فطرنی کے معنی ہیں مجھے نیست سے ہست کیا ...... یا ...... مجھے اپنے فضل اور ان بزرگوں کے فیض سے دین فطرت یعنی ایمان نصیب کیا۔ اس میں بھی کنایۃً تبلیغ ہے معلوم ہوا کہ انطاکیہ والے خدا کے منکر یعنی دہریہ نہ تھے بلکہ مشرک (بت پرست) تھے ورنہ ان سے ایسی گفتگو مفید نہ ہوتی نیز معلوم ہوا کہ جھوٹے معبود (بت وغیرہ) کسی کی شفاعت نہ کرسکیں گے رہ گئے اللہ کے محبوب بندے جن کو شفاعت کا اذن مل چکا ہے وہ ضرور شفاعت کریں گے اور وہ باذن پروردگار گنہ گاروں کو بچا بھی لیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت کے یہ معنی نہیں کہ رب جسے عذاب دینا چاہے اسے شفیع بچالے یہ تو رب کا مقابلہ ہے بلکہ جس کے متعلق رب شفاعت کی اجازت دے اسی کی شفاعت ہوگی۔ اس کا نام شفاعت باذن ہے اس مقام پر اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھ لیا جائے کہ ایک ہے شفاعت اور ایک ہے جبر اور دباؤ...... کسی کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت کرنے کا مطلب صرف کسی سے کسی کی سفارش کرنی ہے اور اس کی بارگاہ میں درخواست پیش کرنی ہے، اس کے اندر جبر، زور اور دباؤ کا شائبہ تک نہیں اس کی حیثیت محض ایک درخواست اور التجا کی ہے بخلاف جبر کے جس کے پیچھے منوا لینے کا زور اور دباؤ پایا جاتا ہے کہ بہر حال منوا کر

ا۔ یعنی الاصنام (مدارک) اصناما (جلالین) یعنی اس آیت میں ''من دونہ آلہۃ'' سے مراد اصنام (بت) ہیں
۲۔ ملاحظہ ہوں وہ لغات جن کے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

ہی چھوڑا جائے اور دھمکی دے کر اپنی والی کرالی جائے۔

کفار اپنے بتوں کے متعلق شفاعت و جبر دونوں کے قائل تھے قرآن کریم نے بتوں سے شفاعت و جبر[۱] دونوں کی نفی فرمادی۔ رہ گئے مقبولان بارگاہ تو ان کے لئے صرف جبر کی نفی ہے شفاعت کی نہیں بلکہ اس کا اثبات ہے۔ میری اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ شفاعت ایک الگ چیز ہے اور جبر ایک الگ چیز۔ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ شفاعت کے مفہوم میں جبر کا شائبہ بھی نہیں۔ لہٰذا مودودی صاحب نے سفارش بہ لفظ دیگر شفاعت کی جو دو قسمیں کی ہیں ان میں سے ایک وہ جو کسی نہ کسی نوع کے زور و اثر پر مبنی ہو اور بہر حال منوا کر ہی چھوڑی جائے اور دوسری وہ جو محض ایک التجا اور درخواست کی حیثیت میں ہو اور جس کے پیچھے منوا لینے کا زور نہ ہو۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ قرآن کی بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۲۲)

یہ تقسیم محض دھوکا اور فریب ہے، یا مودودی صاحب کا ایسا بے نظیر اجتہاد ہے جس کی انہوں نے دلیل نہیں پیش کی۔ حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے اس امر کی طرف توجہ نہیں دی کہ جسے وہ سفارش و شفاعت کی دوسری قسم قرار دے رہے ہیں درحقیقت وہی اور صرف وہی شفاعت ہے باقی شفاعت نہیں بلکہ جبر ہے۔

۹) ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ[۲] أَوْلِيَاءَ[۳] مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾

ا۔ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا يُصْحَبُونَ یعنی کیا ان کے پاس کچھ معبود ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں وہ اپنی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے کوئی یاری ہو۔ اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے کہ ہمارے معبود ہمیں خدا سے مقابلہ کر کے اس پر جبر ڈال کر بچا سکتے ہیں۔
۲۔ الاصنام (جلالین) یعنی اس آیت میں ''من دونہ'' سے مراد اصنام (بت) ہیں۔
۳۔ ای آلھۃ و ھو مبتدا محذوف الخبر تقدیرہ والذین عبدوا الاصنام یقولون (مدارک) اس آیت میں اولیاء سے مراد آلہہ (معبود) ہیں یہ ظاہر ہے یعنی والذین اتخذوا الایۃ مبتدا ہے اس کی خبر ''یقولون'' محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کو پوجتے ہیں وہ کہتے ہیں (مدارک)

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْمَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ[۲]﴾ (الزمر: آیت ۳)

یعنی، اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنا لئے کہتے ہیں کہ ہم انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں اللہ انہیں فیصلہ کردے گا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

یعنی اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنا لئے کہتے ہیں کہ ہم انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں اللہ انہیں فیصلہ کردے گا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ولی سے مراد معبود ہے جس کی تشریح ما نعبدھم سے ہو رہی ہے الحاصل یہاں اولیاء سے وہ مراد نہیں جو الا ان اولیاء اللہ الآیۃ میں اولیاء سے مراد ہے۔ اس سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ خدا کے دشمن کو خدا کا وسیلہ ماننا کفر ہے، دوسرے یہ کہ وسیلہ کی پوجا کرنی شرک ہے۔ پوجا صرف اللہ کی ہونی چاہئے لہذا کفار کا اپنے معبودوں کو چھوٹا الٰہ اور خدا کو بڑا الٰہ کہنا اور پھر ان کو شفاعت و جبر کا مالک تصور کرکے ان کی پوجا کرنی یہ سب شرک ہے۔

۱۰) ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ[۳] وَلَا یَنْفَعُھُمْ[۴] وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ[۵] شُ

۱ یعنی مسلمین۔

۲ جب مسلمان مشرکین سے کہتے تھے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے تھے کہ اللہ نے پھر جب ان سے کہتے فما لکم تعبدون الاصنام پھر تم اصنام (بتوں) کو کیوں پوجتے ہو تو وہ کہتے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یعنی ہم تو انہیں اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں (اب "ان اللہ یحکم بینھم" کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دونوں فریق کے متنازعین کے مابین فیصلہ کردے گا (مدارک) اس طرح کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل فرمائے گا ورنہ قولی فیصلہ دنیا میں بھی ہو چکا۔ (مؤلف)

۳ ان لم یعبدوہ (جلالین) ان ترکوا عبادتھا (مدارک) یعنی اگر وہ ان کی پرستش چھوڑ بھی دیں جب بھی یہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

۴ ان عبدوہ وھو الاصنام (جلالین) ان عبدوھا (مدارک) یعنی اگر وہ ان کی عبادت کریں جب بھی وہ ان کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اور یہاں "من دون اللہ" سے مراد اصنام (بت) ہیں۔

۵ ای الاصنام (مدارک) یعنی یہاں ہؤلاء سے بتوں کی طرف اشارہ ہے۔

شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ[۱]﴾ (یونس: آیت ۱۸)

یعنی، اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ برا بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

نمبر ۷ سے لے کر نمبر ۱۰ تک کی ساری آیتیں آپ نے تشریحات و حواشی کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیا اور آپ پر یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ یہ ساری آیتیں اصنام شکن ہی ہیں اور انہیں کے رد و ابطال میں ہیں جو بت پرستی کر رہے تھے اور بتوں کے بارے میں جن کے یہ خیالات تھے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردینے والے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں ذریعہ نصرت و عزت ہیں اور جب ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا تو یہ ہماری مدد کریں گے نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ ہماری عبادت سے باخبر ہیں اور ہمارے اگلے حالات کا علم رکھتے ہیں لہذا جو آیتیں خاص کر بتوں کے رد میں نازل فرمائی گئی ان میں بت پرستوں کے ان خیالات کی بھی تردید کردی گئی جو وہ بتوں سے وابستہ کئے ہوئے تھے جیسے کہ وہ آیات جن کی تشریحات نمبر وار آپ ملاحظہ فرماتے رہے ہاں آیت نمبر ۵ ہر غیر اللہ[۲] کے پرستش کی ممانعت فرما رہی ہے۔

اس آیت کریمہ کو سطحی طور پر دیکھنے سے یہ شک ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے کہ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدا کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے اور مسلمان بھی نبیوں اور ولیوں کو خدا رسی کا وسیلہ مانتے ہیں تو وہ کیوں کافر ہوگئے اور یہ کیوں مومن رہے؟ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کو شفیع اور وسیلہ سمجھنا گو کفر تھا لیکن شرک نہ تھا کفر تو اس لئے تھا کہ وہ خدا کے دشمنوں یعنی بتوں کو سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے جو کہ واقع میں ایسے نہ تھے اور جن کے ایسے نہ ہونے پر قرآن کی آیتیں شہادت دے رہی تھیں اور مومنین اللہ کے محبوبوں کو شفیع و وسیلہ سمجھتے ہیں جو واقعۃً ایسے ہیں اور جن کے ایسے ہونے پر قرآن و حدیث شاہد

۱ فی امر الدنیا ومعیشتھا لانھم کانوا لا یقرون بالبعث یعنی کفار کہتے ہیں کہ اصنام (بت) دنیا کے معاملات اور دنیوی زندگی میں ہمارے سفارشی ہیں اس لئے کہ بعث کے وہ قائل نہ تھے۔

۲ انبیاء ہوں یا اولیاء ملائکہ ہوں یا انسان، جنات ہوں یا شمس و قمر اور اصنام ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اللہ کے سوا۔

ہیں لہٰذا وہ کافر ہوئے اور یہ مومن رہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو شفاعت کے ساتھ ساتھ صاحب جبر بھی مانتے تھے اور مومن انبیاء و اولیاء کو فقط بندہ اور محض اعزازی طور پر خدا کے اذن و عطا سے شفیع و وسیلہ مانتے ہیں اذن اور مقابلہ ایمان و کفر کا معیار ہے..... اس مقام پر یہ پہلو بھی خیال میں رہے کہ شفاعت کا معنی سفارش اور شفیع کا معنی سفارشی ہے لہٰذا وجود شفاعت کے لئے چند چیزیں ضروری ہوئیں۔

۱۔ وہ جس کی بارگاہ میں سفارش کی جائے۔

۲۔ وہ جو سفارش کرے (سفارشی)

۳۔ وہ جس کی سفارش کی جائے

۴۔ وہ جو سفارش کی جائے۔

پہلے کو کہیں گے "مشفوع الیہ" دوسرے کا نام ہے "شافع و شفیع" تیسرے کا نام ہے "مشفوع" اور چوتھے کا نام ہے "مشفوع فیہ"۔ اس مختصر سی وضاحت سے یہ سمجھ لینا دشوار نہیں کہ خدا کا شافع و شفیع ہونا محال ہے اور جو خدا کو شافع و شفیع (سفارشی) مانتا ہے وہ یقیناً کسی ایسی بارگاہ کا تصور رکھتا ہے جس بارگاہ میں خدا کسی کی سفارش کرے اور اگر کوئی ایسی بارگاہ نہیں تو پھر خدا کا شفیع ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الحاصل خدا کو شفیع ماننا کفر ہے لہٰذا شفیع کوئی غیر خدا ہی ہوگا اب اگر کوئی کسی غیر خدا کو شفیع سمجھنے کو شرک کہے تو یقیناً اس کے نزدیک خدا بھی شفیع ہے جبھی تو ذات یا صفات میں شرکت ہوگی اس لئے کہ شرک بغیر شرکت کے متصور نہیں (کما تقرر فی موضعہ) اب اگر مشرکین کے بتوں کے سفارشی ہونے کو شرک کہہ دیا جائے تو یہ خود ایک کفر کو مستلزم ہے کیونکہ بتوں کو سفارشی سمجھنا اسی وقت شرک ہو سکتا ہے جب کہ خدا کو بھی سفارشی مان لیا جائے علیٰ ہذا القیاس مسئلۂ توسل بھی اسی طرح ہے کہ جس کی بارگاہ میں کسی کو ذریعہ بنایا جائے وہ متوسل الیہ ہے، جس کو ذریعہ بنایا جائے وہ وسیلہ ہے، جو ذریعہ بنائے وہ متوسل ہے، الحاصل شفیع کی طرح وسیلے کا بھی غیر خدا ہونا ضروری ہے ورنہ وہی ساری خرابیاں لازم آئیں گی جو خدا کو شفیع ماننے کی صورت میں لازم آتی ہیں غرض کہ وسیلے کے متعلق ایک خفیف لفظی تغیر کے بعد وہ ساری گفتگو لی جاتی ہے جو شفاعت کی

صورت میں کی گئی۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ پھر ان مشرکین کا شرک کیا ہے؟ میں عرض کروں گا کہ ان کا شرک بتوں کو سفارشی ماننا نہیں بلکہ بتوں کی پرستش کرنی اور ان کو معبود ماننا ہے اب رہ گیا ان کا اپنے بتوں کو سفارشی سمجھنا تو یہ ان کی جہالت تھی کہ ایسوں کو شفیع بنائے ہوئے تھے اور ایسوں کو وسیلہ قرب سمجھتے تھے جو شفیع و وسیلہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور قرآن صاف لفظوں میں جن سے شفاعت و توسل کی نفی کر رہا تھا مشرکین کی اس جہالت کو کفر تو کہیں گے لیکن شرک نہ کہیں گے۔ آیت نمبر ۷ سے لے کر آیت نمبر ۱۰ تک کو پھر غور ملاحظہ فرمائیے۔

بتوں کی ذات سے دو چیزوں کی نفی کی گئی ہے۔

نمبر۱: الٰہیت و معبودیت

نمبر۲: شفاعت و توسل

لیکن پہلی چیز یعنی الٰہیت و معبودیت ایک ایسی چیز ہے کہ پورا قرآن دیکھ جائیے جملہ صحف آسمانی کی چھان بین کر جائیے اور تمام احادیث کے ذخیروں کا مطالعہ کر ڈالیے لیکن آپ کو کوئی آیت یا کوئی حدیث ایسی نہ ملے گی جس میں الٰہیت و معبودیت کو کسی معنی میں بھی کسی غیر خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہو بلکہ ہر جگہ الٰہیت و معبودیت کی ہر غیر خدا کی ذات سے نفی اور صرف خدائی ذات کے لئے اثبات ملے گا یہ دلیل ہے کہ یہ خدا کی ایسی صفت مخصوصہ ہے جس کا غیر خدا میں تصور نہیں کیا جا سکتا بخلاف صفت شفاعت کہ قرآن و حدیث میں اگر بعض سے اس کی نفی ہے تو بعض کے لئے اثبات بھی ہے اور وہ اثبات بھی غیر خدا ہی کے لئے ہے کہیں ایسا نہیں کہ خدا کو شفیع و شافع (سفارشی) قرار دیا گیا ہو لہٰذا یہ ایک ایسی صفت ہوئی جس کو قرآن نے ذات خداوندی میں ثابت نہیں کیا رہ گئے بت تو ان سے اس صفت کی صراحتاً نفی کی گئی ہے اول کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی شان کے لائق نہیں اور دوم کی وجہ یہ ہے کہ بتوں میں اس کی صلاحیت نہیں باقی بچے اللہ کے محبوب بندے تو ان میں شفیع بننے کی صلاحیت و استعداد بھی پیدا فرما دی گئی ہے اور انہیں شفاعت کا اذن بھی دے دیا گیا ہے یہی وہ شخصیتیں ہیں جن کے لئے شفاعت کا اثبات قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے الحاصل الٰہیت اور شفاعت کو ایک منزل میں رکھ کر دیکھنا غیر صحت مند انداز فکر کی دلیل ہے۔

اب جہاں کہیں شفاعت کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے ... یا ... شفاعت کا مالک صرف خدا کو قرار دیا گیا ہے وہاں ہرگز وہ معنی مراد نہیں جس میں ہماری گفتگو ہے بلکہ اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ ہی شفاعت کا مالک ہے وہی جس کو چاہے شفاعت کا اذن عطا فرمائے اس کے اذن سے دوسرے سفارش کر سکیں گے جس کو وہ اذن نہ دے وہ بارگاہ خداوندی میں شفاعت و سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کسی کو اپنی بارگاہ میں سفارشی قرار دینا اللہ کا بہت بڑا فضل ہے اور وہ اپنے فضل سے جس کو چاہے نوازے۔

ان تمام باتوں کو ذہن نشین کر کے اب مودودی صاحب کا وہ ایمانی نوٹ ملاحظہ فرمایئے جو آیت نمبر ۱ کے بعد تحریر کیا ہے۔

> "ان آیات سے چند مزید باتوں پر روشنی پڑتی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت اپنے الٰہوں کے متعلق یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ساری خدائی انہی کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے اور ان کے اوپر کوئی خداوند اعلیٰ نہیں ہے وہ واضح طور پر ایک خداوند اعلیٰ کا تصور رکھتے تھے جس کے لئے ان کی زبان میں اللہ کا لفظ تھا اور دوسرے الٰہوں کے متعلق ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ اس خداوند اعلیٰ کی خدائی میں ان الٰہوں کا کچھ دخل اور اثر ہے ان کی بات مانی جاتی ہے ان کے ذریعہ سے ہمارے کام بن سکتے ہیں ان کی سفارش سے ہم نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نقصانات سے بچ سکتے ہیں انہی خیالات کی بنا پر وہ اللہ کے ساتھ ان کو بھی الٰہ قرار دیتے تھے" (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۲۱-۲۲)

فی الحال ہمیں اس سے بحث نہیں کہ مشرکین نے کن خیالات کے پیش نظر بتوں کو پرستش کے قابل سمجھ لیا تھا اور ان کو الٰہ (معبود) قرار دے دیا تھا ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان کے جملہ خیالات میں سے وہ کون کون سے خیالات ہیں جن کی بنا پر غیر خدا کی خدا سے ہمسری لازم آتی ہے بالفرض اگر ان کا کوئی خیال نہ ہوتا اور وہ صرف ذوق سجدہ کی تشنگی کو دفع کرنے کے لئے بتوں کی پرستش کرتے اور انہیں الٰہ (معبود) قرار دے لیتے جب بھی وہ اتنے ہی بڑے شرک کے مجرم ہوتے جتنے کہ ان خیالات کی آمیزش کے ساتھ مجرم ٹھہرے۔

مودودی صاحب کے اس کلام کو غور سے دیکھنے والا کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکے گا کہ مشرکین کے نزدیک کسی کو سفارشی بنانا یا کسی کی تعظیم کرنی یا کسی کے آگے نذر پیش کرنا اس کو الٰہ قرار دینا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مودودی صاحب کی اس عبارت کا یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ اس کا تو مختصر لفظوں میں یہی مطلب نکلتا ہے کہ کفار و مشرکین اپنے بتوں کی جو پرستش کرتے تھے اور ان کو الٰہ (معبود) قرار دیتے تھے اس کے اسباب و خیالات تھے جو وہ ان سے وابستہ کئے ہوئے تھے جن میں سے ایک شفاعت بھی ہے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک شفاعت اور الٰہیت و معبودیت دونوں دو حقیقتوں کے نام نہیں۔ غور تو فرمایئے کہ وہ اپنے بتوں کو بھی خدا مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی خدا کہتے تھے تو اگر شفاعت کو لازم خدائی سمجھتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اپنا شفیع ضرور قرار دیتے اور پھر اس کو شفیع قرار دے کر مدد کی التجا کرتے لیکن ان کا ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شفاعت لازمہ خدائی نہ تھی۔

آپ خود مودودی صاحب کی تحریر کا کوئی نتیجہ نہ نکالئے، دیکھئے وہ خود ہی اپنے کلام کا ایک عجیب و غریب نتیجہ نکال رہے ہیں

> "لہٰذا ان کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسم تعظیم و تکریم اور نذر و نیاز پیش کرنا اس کو الٰہ بنانا ہے۔" (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۲۲)

غور فرمایئے اس "لہٰذا" کو اس کے ماقبل سے کیا تعلق ہے جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے ہزار جھوٹ بولنے پر بھی جھوٹ جھوٹ ہی رہتا ہے... اب مودودی صاحب سے کون کہے کہ اگر کسی کو سفارشی سمجھنا اس کو الٰہ بنانا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ تمام ماذون الشفاعۃ (جن کی شفاعت کا قول خود مودودی صاحب نے اسی عبارت کے حاشیہ میں کیا ہے) الٰہ ہو جائیں اور نہ کسی سے مدد حاصل کرنا اس کو خدا بنانا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ کے محبوب بندے (جن کی نصرت و اعانت کتاب و سنت سے منصوص ہے) الٰہ ہو جائیں اسی طرح نہ تو کسی کی تعظیم و تکریم کرنی اس کو الٰہ بنانا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ آیت کریمہ ﴿وتعزروہ وتوقروہ﴾ (یعنی رسول کریم کی تعظیم و توقیر کرو)

اور اس کے علاوہ کثیر آیات واحادیث (جو بارگاہ مقبولان الٰہ میں باادب، تعظیم وتکریم کے ساتھ حاضری کی ہدایت کرتی ہیں) شرک کا سبق دینے والی ہو جائیں اور نہ کسی کی بارگاہ میں "نذر ونیاز عرفی" پیش کرنا ہی اس کو الٰہ بناتا ہے اس لئے کہ عرف میں نذر ونیاز ہدیہ ونذرانہ کے معنی میں ہے تو اگر کوئی بہزار نیاز مندی کسی کو نذر بہ لفظ دیگر نذرانہ (خواہ کسی باحیات کو پیش کرے یا کسی وفات یافتہ کو بطریقہ ایصال ثواب) پیش کرے تو اس میں کہاں شرک کا شائبہ نکل آیا...... اس مقام پر ہر امر کی تحقیق کے لئے تفصیل طوالت کا سبب بن جائے گی اس لئے اشاروں ہی پر اکتفا کر رہا ہوں مودودی صاحب اس مقام پر چند سوالوں کا جواب دیتے چلیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اہل جاہلیت کی اصطلاح سے ناواقف تھا؟ اور اگر بے خبر نہیں تھا تو پھر اس نے کیوں اپنے محبوب بندوں کو ماذون الشفاعۃ فرما کر شفیع وسفارشی قرار دیا؟ کیا کسی مشرک نے قرآن پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ اگر میں کسی کو سفارشی قرار دوں تو مشرک ہو جاؤں اور قرآن کسی کو سفارشی بنائے تو اس پر شرک کا داغ نہ آئے؟ یہ اعتراض نہ کرنا ہی بتا رہا ہے کہ مشرکین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ "قرآن غیر خدا کیلئے نفس شفاعت کا منکر نہیں ورنہ اس کے نزدیک کسی کو شفیع بنانا اس کو الٰہ بنانا ہے"۔

ہر "قرآن فہم" باخبر ہے کہ اس کی ہدایت کا منشا یہ ہے کہ شفاعت اور چیز ہے اور الوہیت دیگر شے...... لہٰذا کسی کی پرستش فقط اس بنیاد پر کرنی کہ وہ ہمارا سفارشی ہے نری جہالت ہے اور غیر خدا کو خدا کی عبادت میں شریک کرنا ہے جو کھلا ہوا شرک ہے اور یہ خیال نہایت خام ہے کہ اگر ہم اپنے شفیع کی پرستش نہ کریں گے تو وہ ہماری سفارش نہ کرے گا نیز کسی ایسے کو شفیع وسفارشی سمجھنا جو "ماذون الشفاعۃ" نہ ہو ایک کھلی جہالت ہے سفارشی اسی کو سمجھنا چاہئے جس کو "اذن شفاعت" بارگاہ خداوندی سے مل چکا ہو...... شفاعت والوہیت کے فرق کو سمجھنے کے باوجود ان امور کو کفار اچھی طرح سمجھ نہ سکے تھے ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی تھی کہ جب ہم اپنے سفارشیوں کی پرستش نہ کریں گے تو بھلا یہ ہماری سفارش کیا کریں گے اور ہمارے لئے وسیلہ قرب کیسے بنیں گے لہٰذا ان کو راضی رکھنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ان کی پوجا کی جائے اور جب ہم ان کو راضی رکھیں گے تو وہ خدا کے مقابلے میں بھی ہم کو بچالیں گے یہ تھا ان کا وہ کفر جس کی وضاحت قرآن کریم مختلف انداز میں کرتا ہے۔

یہ کتنی واضح حقیقت ہے جس کو ایک موٹے دماغ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی کسی بادشاہ کی تعظیم کرے، اس سے نفع کی امید، ضرر کا خوف رکھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب وہ جس کی بھی تعظیم کرے یا جس سے بھی نفع کی توقع اور ضرر کا خدشہ رکھے وہ اس کو بادشاہ ہی سمجھتا ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ اگر کوئی اپنے الٰہ ومعبود سے نفع وضرر کی توقع واندیشہ محسوس کرے تو اس سے نتیجہ نکال لیا جائے کہ اب اس کے نزدیک ہر وہ ذات الٰہ ومعبود ہے جس سے کسی نفع کی امید یا ضرر کا خوف رکھا جائے!...... الحاصل مودودی صاحب نے "لہٰذا" کہہ کر جو نتیجہ نکالا ہے وہ قرآن اور حدیث تو بڑی بات ہے خود انہی کے اس کلام سے نہیں مستفاد ہوتا جس کا نتیجہ وہ پیش کرنا چاہتے ہیں یہ ہوتا ہے خالص اپنے فکری رجحانات کو کسی کے سر تھوپنے اور غیر منطقیانہ روش کو اختیار کرنے کا عبرتناک انجام...... میں اس بات کا مدعی نہیں کہ مودودی صاحب ان حقائق سے بے خبر ہیں جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے لیکن ان کے لئے بڑی مجبوری یہ ہے کہ وہ اپنی مزعومہ اجتہادی صلاحیتوں کے باوجود تقویت الایمان پر قرآن کو ترجیح دینے کو تیار نہیں ہیں۔ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالوہاب، ابن عبدالغنی یہ وہ سارے "ابنائے روزگار" ہیں جن کی روش سے مودودی صاحب ہٹنا نہیں چاہتے بلکہ ان کے ایسے "ذہنی غلام" ہیں کہ قرآن وحدیث کو انہی کے "فکری رجحانات" کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی وکوشش کو دین کا تجدید واحیاء سمجھتے ہیں! ائمہ مجتہدین کے سامنے سینہ تان کر آنے والے کی اس سے بڑھ کر عبرتناک سزا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو ایسوں کے خیالات کا پابند بنا دیا جائے جن کو شرعی نقطہ نظر سے کبھی نظر اعتبار سے نہ دیکھا گیا ہو اور جو تزکیہ نفس کی تہی دامنی کے سبب صوفیاء اسلام سے ہمیشہ برسر پیکار رہے ہوں!

فاعتبروا یا اولی الابصار

۱۱) ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾

(النحل: آیہ ۵۱)

یعنی، اور اللہ نے فرمایا دو معبود نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھ سے ہی ڈرو۔

لہ اُتِيَ به لاثبات الالهية والوحدانية (جلالین) الٰہ واحد الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے۔

الوہیت کا خوف اللہ کے سوا کسی کا نہیں چاہئے لیکن ایذا کا خوف اور دوسری مخلوق سے بھی ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے یا سانپ سے ڈر جانا، ہمارا حاکم یا بادشاہ سے خوف کرنا الوہیت کا خوف نہیں بلکہ یہ ایذا کا خوف ہے یا ان کی عظمت کی ہیبت...... الحاصل آیت کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ خوف جو الٰہ وخدا سے کیا جانا چاہئے وہ مجھی سے رکھو۔

۱۲) ﴿وَلَآ أَخَافُ[1] مَا تُشْرِكُونَ[2] بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَشَآءَ رَبِّى شَيْـًٔا[3]﴾ (انعام: آیۃ ۸۰)

یعنی، اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بتاتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ممکن نہیں کہ بغیر ارادہ الٰہی کوئی نفع ونقصان پہونچا سکے اور جب خدا ہی چاہے تو پھر اس کو پورا اختیار ہے وہ جس کو چاہے نفع وضرر کا سبب بنادے...... ایک کنکری میں بھلا یہ کہاں طاقت کہ وہ ایک ہاتھی کو ہلاک کر دے لیکن اگر خدا ہی چاہے تو ایک ہی کنکری ابرہہ کے

---

[1] ولما خوفوه ان معبود انهم تصيبه بسوء قال (مدارک) یعنی حضرت ابراہیم نے ولا اخاف الایۃ اس وقت فرمایا جب کہ کفار نے ان کو خوف دلایا کہ ہمارے معبود تم کو نقصان پہنچا دیں گے۔

[2] من الاصنام ان تصيبني بسوء لعدم قدرتها على شئى (جلالین) یعنی تم جن کو شریک ٹھہراتے ہو یعنی اصنام (بتوں) سے مجھے کوئی خوف نہیں کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہونچا سکیں گے اس لئے کہ وہ تو کسی چیز پر قدرت ہی نہیں رکھتے...... حضرت ابراہیم سے کفار نے کہا کہ بتوں سے ڈرو اس لئے کہ ہمیں خوف ہے کہیں تم جنون میں گرفتار نہ ہو جاؤ بہ سبب اس کے جو تم ان کی عیب جوئی کرتے ہو تو حضرت ابراہیم نے ان کو جواب مرحمت فرمایا ولا اخاف الایۃ ہم تمہارے شرکاء سے نہیں ڈرتے اس لئے کہ وہ جمادات ہیں جو نفع وضرر نہیں پہونچا سکتے خوف تو اس سے کیا جا سکتا ہے جو نفع وضرر پر قادر ہو (حاشیہ جلالین ملخصاً)

[3] ای لا اخاف معبود اتکم فی وقت قط لانها لا تقدر على منفعة ولا مضرة الا ان شاء ربى ان يصيبنى منها بضر فهو قادر على ان يجعل فيما شاء نفعا فيما شاء ضرا لا الاصنام (مدارک) یعنی میں تمہارے معبودوں سے کبھی کسی وقت نہیں ڈرتا کیونکہ وہ نہ منفعت پر قادر ہیں نہ مضرت پر ہاں جب میرا ہی رب چاہے کہ مجھ کو نقصان پہنچائے تو وہ قادر ہے کہ جس میں چاہے نفع کر دے جس میں چاہے نقصان، اصنام (بتوں) میں یہ قدرت نہیں

ایک ہاتھی کے لئے بلکہ پورے لشکر یا جتنا خدا چاہے سب کو ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہے اس آیت نے یہ بھی اشارہ کر دیا کہ پیغمبروں کے دل میں ایسی ہیبت نہیں آتی جو انہیں ادائے فرض سے روک دے۔

۱۳) ﴿إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ فَكِيدُونِى جَمِيعًا[1]﴾

(ہود: آیۃ ۵۴)

یعنی، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود کی تمہیں بری جھپٹ پہونچی تو تم سب ہم سے مکر کرتے ہو۔

اس آیت کو نقل کرنے کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں!

"ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اہل جاہلیت اپنے الٰہوں سے یہ خوف رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کو کسی طرح ناراض کر دیا یا ہم ان کی توجہات وعنایات سے محروم ہو گئے تو ہم پر بیماری قحط، نقصان جان ومال اور دوسری قسم کی آفات نازل ہو جائیں گی"۔

(بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۲۴)

بے شک مودودی صاحب نے جو فرمایا ہے بالکل صحیح ہے کہ اہل جاہلیت (مشرکین) اپنے الٰہوں (بتوں) سے یہی خیالات وابستہ کئے ہوئے تھے لیکن یہ ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ اب جس سے بھی اس قسم کا خوف رکھا جائے وہ ان کی اصطلاح میں الٰہ ہے لہٰذا اس کو "اہل جاہلیت کا تصور الٰہ" کے عنوان کے تحت پیش کر کے اس امر کی طرف اشارہ کرنا کہ وہ الٰہ کے معنی نقصان دہ اور مضرر رساں سمجھتے تھے فریب دہی کے سوا کچھ نہیں۔

---

[1] الہتہ و اوثانکم (جلالین) یعنی تم اور تمہارے بت ۔ مدارک میں آگے چل کر اسی کے تحت ہے وکیف تضرنی الہتکم وما ھی الا جماد لا یضر ولا ینفع یعنی تمہارے معبود مجھے کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں وہ تو جمادات (صرف پتھر وغیرہ) ہیں جو نفع وضرر کچھ بھی نہیں پہنچا سکتے۔

۱۴) ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ[1] وَرُهْبَانَهُمْ[2] اَرْبَابًا[3] مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ[4] ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (التوبہ آیت ۳۱)

یعنی انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

اس آیت سے انبیاء و اولیاء اور علماء کی اطاعت پر کوئی آنچ نہیں آتی اور اس آیت پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا جس میں فرمایا گیا ہے ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ائمہ مجتہدین کی۔ اس آیت زیر بحث میں اس "دینی اطاعت" کی طرف اشارہ ہے جو قرآن و سنت کے مقابلے میں کسی کی کی جائے اولیاء و علماء کی اطاعت یعنی رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت خدا ہی کی اطاعت ہے ہمارے رسول عربی کا مقام کیا پوچھنا جنہیں اللہ نے اپنے فضل و عطا سے تشریعی اختیارات

۱ ای اھل الکتاب (مدارک)

۲ علماءھم (مدارک) علماء الیھود (جلالین) یعنی پادری لوگ۔

۳ عباد النصری (جلالین) نساکھم (مدارک) یعنی جوگی لوگ۔

۴ حیث اطاعوھم فی تحلیل ما حرم اللّٰہ وتحریم ما احل اللّٰہ کما یطاع الا رباب فی اوامرھم ونواھیھم (مدارک) حیث اتبعوھم فی تحلیل ما حرم وتحریم ما احل (جلالین) یعنی انہوں نے اپنے جوگیوں اور پادریوں کی اطاعت واتباع میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھ لیا ہے اور بھی امور میں انکی ایسی اطاعت کرتے ہیں جیسے کہ رب کی اطاعت اس کے اوامر و نواہی میں کی جاتی ہے۔

۵ ای اتخذوہ ربا حیث جعلوہ ابن اللّٰہ (مدارک) یعنی حضرت عیسیٰ کو بھی خدا بنالیا کہ انہیں خدا کا بیٹا مان لیا اور بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔ آیت کے الفاظ یوں بھی ہو سکتے تھے "اتخذوا احبارھم ورھبانھم والمسیح ابن مریم اربابا من دون اللّٰہ" لیکن حضرت مسیح کا ذکر "اربابا من دون اللّٰہ" کے بعد فرمایا اس میں اشارہ یہ ہے کہ احبار و رہبان کو جو ان کا رب کہا جا رہا ہے اس کا معنی دوسرا ہے اس لئے کہ درحقیقت انہوں نے اپنے علماء کو رب کہا نہ تھا ہاں ان کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کو رب اور رب سمجھ لیا ہے اور جو حضرت مسیح کو رب کہا جا رہا ہے وہ دوسرے معنی میں ہے جس کی تشریح ابھی گزر چکی اور غالباً یہ بھی اشارہ ہو کہ احبار و رہبان کی صفت میں حضرت مسیح کا ذکر نامناسب ہے۔

سے سرفراز فرمایا جس حکم کو چاہیں جس سے چاہیں خاص فرمادیں ہمیں رسول کے ہر امر و نہی کا پابند بنا دیا گیا ہے اس سلسلے میں بہت سارے واقعات ہیں جن میں رسول کریم نے اپنے تشریعی اختیارات کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے آپ کو "شارع علیہ السلام" کہا جاتا ہے۔[1]

۱۵) ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ (الفرقان آیت ۴۳)

یعنی کیا تم نے دیکھا جس نے اپنے جی کے خواہش کردہ کو اپنا معبود بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ سوچے کہ میں نے اپنے ترجمہ میں نگہبانی کا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل کے معنی ذمہ دار کے ہیں اور ذمہ داری کسی امر میں ہوتی ہے اس امر کا ذکر اگر کلام میں بظاہر نہ ہو تو بھی وہ محذوف معنوی ہوا کرتا ہے ترجمہ میں اس کی توضیح کردی جاتی ہے اور یہاں وہ امر نگہبانی ہے اللہ نے رسول کے "ذمہ کرم" میں امت مسلمہ کی نگہبانی کردی ہے نیز رسول کریم نے اپنے ذمہ کرم میں اس کو لے لیا ہے۔[2]

مودودی صاحب نے اپنے ترجمہ میں اس کو ظاہر نہیں کیا اس میں کیا مصلحت ہے، مودودی صاحب نے ہی سمجھیں۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حقیقت کو لوگوں کو سامنے آنے نہیں دینا چاہتے کہ حضور مسلمانوں کی نگہبانی کے ذمہ دار ہیں کیونکہ نگہبان کا نہ ہونا کافروں کے لئے بیان ہوا ہے رب فرماتا ہے ﴿انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم﴾ ہم نے تمہاری طرف اس رسول کو بھیجا جو تمہارا نگہبان ہے۔

۱ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "التحقیق البارع فی حقوق الشارع" مطبوعہ محدث اعظم اکیڈمی از افاضات عالیہ مخدوم ملت حضور محدث اعظم ہند (علیہ الرحمۃ والرضوان)

۲ مودودی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن (جلد ۳ ص ۴۵۳) میں نگہبانی کی جگہ "راہ راست پر لانا" ذکر کیا ہے حالانکہ رسول کسی کو بھی راہ راست پر لانے کے ذمہ دار نہیں رسول کی صفت "ہادی الی الحق" یعنی راہ حق دکھانے کی ذمہ داری ہے جیسی کہ ارشاد ہوا "انک لا تھدی من احببت" تم جس کو چاہتے ہو اس کو راہ راست پر لانا تمہاری ذمہ داری نہیں۔

جلالین کی تشریح کے مطابق آیت کریمہ میں ہوا، مہویۃ کے معنی میں ہے (یعنی خواہش کردہ و پسندیدہ) اس لئے کہ اگر اس کو مہویۃ کے معنی میں نہ لیا جائے اور اسے معنی مصدری ہی میں رکھا جائے تو نہ تو ہواء پر الٰہ محمول ہو سکتا ہے اور نہ الٰہ[1] پر ہواء کیونکہ مصدر پر غیر مصدر یا غیر مصدر پر مصدر کا محمول نہ ہونا مسلمات فن سے ہے لہٰذا اس کو مہویۃ کے معنی میں لے لیا گیا اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "کیا تم نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کردہ و پسندیدہ چیز کو اپنا معبود بنا لیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے" بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ ایک شخص عہد جاہلیت کے ایک پتھر کو پوجتا اور جب کبھی کسی دوسرے ایسے پتھر سے گزرتا جو اس کو اچھا نظر آتا تو وہ پہلے کو چھوڑ دیتا اور دوسرے کی پرستش کرنے لگتا۔ تو اگر ایک پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کو پوجنے کے لئے اپنا لینا اس کی حماقت و جہالت تھی تو دوسری طرف پہلے پتھر کی پرستش اور پھر موجودہ پسندیدہ پتھر کی پوجا اور ان دونوں میں عبادت کا استحقاق ماننا اس کا شرک تھا اور اپنی پسندیدہ و خواہش کردہ چیز کو معبود بنا لینا تھا ......اس روایت اور جلالین کے اشاروں سے پتہ چلا کہ اس آیت میں الٰہ تو معبود پرستیدہ ہی کے معنی میں ہے لیکن "ہواء" معنی میں "مہویۃ" کے ہے الحاصل اس آیت سے بھی اصنام شکنی ہی مقصود ہے اور اگر "ہواء" کو نفس کے معنی میں لے لیا جائے تو یہاں لفظ الٰہ اسم جنس ہونے کی صورت میں "حقیقت لغوی" اور مصدر ہونے کی صورت میں "حقیقت عرفی" پر نہ رہے گا اور اس خاص مقام پر اس کے معنی معبود پرستیدہ نہ ہوں گے اور اس میں تاویل کی ضرورت پڑے گی کہ الٰہ سے اس کا لازمی معنی مراد لیا جائے یعنی ایسا متبوع جو خود کسی کا تابع نہ ہو بالفاظ دیگر ایسا مطاع جو خود کسی کی اطاعت کا پابند نہ ہو اب نفس کو معبود بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی سب باتوں کو مانتے چلے جائیں اور یہ نہ دیکھیں کہ خدا کا کیا فرمان ہے تو گویا نفس کو ویسا ہی سمجھ لیا گیا جیسا کہ "مطاع حقیقی" یعنی خدائے تعالیٰ ہے..... اس صورت میں یہ آیت ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو بالکل مطلق العنان ہیں اور خواہشات میں ایسا آزاد ہیں کہ قید والا قانونی زندگی گزار رہے ہیں

---

[1] الٰہ کو ایک قول پر مصدر ہے لیکن عرف نے اس کو معنی مصدری سے نکال کر "معبود پرستیدہ" کے معنی میں لے لیا جیسا کہ "الٰہ" "معنی معبود" ہے جس کے محمول یا جنس پر محمول ہونے کا مسئلہ اس مقام پر زیر بحث ہے۔

...شرعی قیود و بند سے آزاد ہیں۔

رہ گئیں وہ نیک خواہشات جن میں قرآن و سنت کی اطاعت مجروح نہیں ہوتی ان کا اتباع اس آیت کے دائرۂ حکم سے باہر ہے الحاصل اس صورت میں یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ الٰہ کے معنی پرستیدہ کے سوا "مطاع حقیقی" بھی ہیں اس لئے کہ اطاعت حقیقی لازم الوہیت ہے نہ کہ معنی الوہیت اور ملزوم بول کر لازم مراد لینا کلام فصحاء میں بہت ہے اسی طرح احبار و رہبان کو جو رب یا الٰہ کہا گیا ہے اس کو بھی اسی معنی میں کہا گیا ہے جس معنی میں نفس کو لہٰذا اس سے بھی یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اطاعت حقیقی بجائے اس کے کہ "لازم الوہیت و ربوبیت کاملہ" ہو "معنی الوہیت و ربوبیت کاملہ" ہو جائے۔

۱۶) ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ[1]﴾

(انعام آیت ۱۳۷)

یعنی، اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا ہے۔

۱۷) ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللّٰهُ﴾

(الشوریٰ آیت ۲۱)

---

[1] من الجن (جلالین) ای الشیاطین (مدارک) یعنی جن شرکاء کا ذکر اس آیت میں ہے وہ "شیاطین جن" تھے۔ (لیردوھم) لیھلکوھم بالاغواء (ولیلبسوا علیھم دینھم) ولیخلطوا علیھم ویشربوہ دینھم ما کانوا علیہ من دین اسماعیل حتی زلوا عنہ الی الشرک ... (وقالوا ھذہ انعام وحرث) للاوثان (مدارک) تاکہ یہ شیاطین اغواء کر کے ان کو ہلاک کر دیں اور ان کے دین کو جس پر وہ تھے یعنی دین اسماعیل کو ان کے لئے ایسا غلط ملط اور الٹ پھیر کر دیں حتی کہ وہ بہک کر شرک کی طرف چلے گئے اور وہ کہتے ہیں یہ بتوں کی کھیتی اور ان کا انعام ہے۔

[2] بکفار مکۃ (جلالین)۔

[3] ھم شیاطینھم (جلالین) یعنی شرکاء سے مراد شیاطین ہیں۔

[4] کالشرک وانکار البعث (جلالین) یعنی آیت کریمہ کے زیر بحث شرک اور انکار بعث ہے۔

یعنی کیا ان کے لئے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین نکال دیا ہے کہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اگر ام کے معنی بلکہ ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اے محبوب ان کفار کے لئے ان کے شیاطین نے اللہ کے دین کے خلاف ناجائز اور غلط دین بنا دیے ہیں جن کی یہ پیروی کر رہے ہیں اور اگر ام کے معنی یا ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ بھی ایمان قبول کرتے ہیں یا گڑھے ہوئے دینوں میں پھنسے رہتے ہیں جو ان کے شیاطین کے بنائے ہوئے ہیں۔

اب آپ پر واضح ہو چکا ہوگا کہ آیات مذکورہ یہ ہدایت دے رہی ہیں کہ حقیقی اقتدار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی مستقل بالذات قانون ساز ہے لہٰذا انہیں خدا پر انہی حیثیتوں کے ساتھ ایمان لانا ہے اس کے قانون کو نظر انداز کر کے نہ تو کسی کی اطاعت کی جا سکتی ہے اور نہ اس کے قانون پر کسی کے قانون کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ اب اگر اس نے یہ قانون بنا دیا کہ اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت، علماء مجتہدین کی اطاعت یہ ساری اطاعتیں ایک دوسرے کے مقابل نہیں بلکہ سب کے سب خدائے واحد ہی کی اطاعت ہیں تو اب "ابنائے روزگار" لاکھ قانون بنایا کریں کہ رسول کی اطاعت اور علمائے مجتہدین کی اطاعت اور نیز یہ دونوں اطاعتیں اور خدا کی اطاعت اور حتیٰ کہ پہلی دونوں اطاعتیں اللہ کی اطاعت سے متصادم ہیں لیکن کوئی خدا پرست خدا کے قانون کے مقابلے میں اس قانون کو تسلیم نہیں کر سکتا اسی طرح جب خدا نے یہ قانون بنا دیا کہ میرے محبوب کو اختیار ہے جس حکم سے چاہیں جس کو چاہیں مستثنیٰ فرما دیں تو اب ہم کوئی ایسا قانون تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے جو رسول کے اختیار تشریعی کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہو اور اگر کسی نے خدانخواستہ قانون الٰہی سے صرف نظر کر کے اس قانون کو مان لیا تو وہ اس قانون کے بنانے والے میں گویا الوہیت کی شان مانتا ہے۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کفار نے خود نہ تو اپنی خواہش پر الٰہ کا اطلاق کیا ہے اور نہ اپنے پادریوں، جوگیوں اور پنڈتوں ہی کو اپنا الٰہ کہا ہے۔ آیت نمبر ۳۱ میں یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان کو "ارباب من دون اللہ" فرمایا گیا ہے یہ خود یہود و نصاریٰ کی بولی نہیں اور اسی

طرح آیت نمبر ۴۳ میں ہواءِ نفس کو جو الٰہ کہا گیا ہے یہ کفار کا اپنا قول نہیں بلکہ یہ سب کچھ ان کے رویے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی روش سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اور خواہش نفس کو گویا اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور برابر سمجھ لیا ہے اور ان میں ربوبیت و الوہیت کی شان مان رکھی ہے جبھی تو ان کی ہر ہر بات مان لیتے ہیں اور اس سلسلے میں خدا کے حکم کی پروا نہیں کرتے معلوم ہوا کہ خدا کے حکم کے مقابلے میں یا اس کے حکم کی پرواہ کئے بغیر کسی کی اطاعت کرنی گویا اس میں الوہیت کی شان ماننی ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ اہل جاہلیت کا "تصور الٰہ" کے تحت ان آیات کے پیش کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس عنوان کے تحت انہیں آیات کو لانا چاہئے تھا جن میں ان الٰہوں کا ذکر ہو جن کو خود کفار بھی الٰہ کہتے ہوں ..... اس بات کے ثبوت کیلئے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پادریوں اور جوگیوں کو "ارباب من دون اللہ" نہیں سمجھتے تھے اور نہ کہتے تھے، وہ حدیث بھی ہے جس کو خود مودودی صاحب نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"حضرت عدی ابن حاتم ؓ نے جب اس آیت کے متعلق نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے علماء اور راہبوں نے حلال کیا اسے تم حلال مان لیتے تھے اور جسے انہوں نے حرام قرار دیا اسے تم حرام تسلیم کر لیتے تھے اور اس بات کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے کہ اللہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے"۔

(بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۲۴)

ظاہر ہے کہ اگر یہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور راہبوں کو پہلے ہی سے الٰہ یا رب کہتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے تو پھر اس آیت کے نزول پر حضرت عدی ابن حاتم کے ذہن میں یہ سوال نہ ابھرتا کہ ہم کہاں اپنے علماء و راہبوں کو رب یا الٰہ کہتے یا سمجھتے تھے پھر بارگاہ رسول میں اس آیت کی توضیح کی حاجت ان کو نہ ہوتی نیز رسول کریم کو الٰہ و رب کی وہ تشریح نہ کرنی پڑتی جس کی مفصل توضیح میں کر چکا ہوں اور جس کا خلاصہ حدیث مذکور سے ظاہر ہے۔

[1] یہ ساری گفتگو اسی صورت میں ہے کہ "ہوا" سے مراد "ہوئے" نہ ہو بلکہ وہی مراد ہو جس بنیاد پر مودودی صاحب نے کلام کیا ہے یعنی خواہش نفس۔

کفار کی اپنی نفس کی اطاعت ایک غیر شعوری چیز تھی نہ وہ اپنے نفس کو مطاع و واجب الاتباع سمجھتے تھے اور نہ ان کا کوئی عمل بارادہ اتباع نفس ہوا کرتا تھا اور قرآن کریم نے جو ان کے نفس کو ان کا مطاع قرار دیا ہے یہ محض ان کے رویے اور روش کے پیش نظر ہے جس سے اس بات کا اظہار مقصود ہے جو ان کے کردار سے ظاہر ہے خواہ ان کا یہ کردار و عمل ارادہ اطاعت خواہش اور شعور اتباع نفس سے خالی ہو۔ اس مقام پر مودودی صاحب سے ایک فاش غلطی یہ بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان آیات میں "جس کو الٰہ بنایا گیا ہے وہ یا تو کوئی انسان ہے یا انسان کا اپنا نفس ہے" (بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۲۲) حالانکہ تفسیری روشنی میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ انہی آیات میں بعض ایسی بھی ہیں جن میں نہ تو انسان مراد ہیں اور نہ انسان کا اپنا نفس بلکہ "شیاطین جن" مراد ہیں اور ان میں ان ہی شیاطین کے الٰہ بنا لینے کا ذکر ہے۔

الوہیت کے باب میں املاک امر

اس عنوان کو قائم کر کے مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "الٰہ کے جتنے مفہومات اوپر بیان ہوئے ہیں ان سب کے درمیان ایک منطقی ربط ہے" (صفحہ ۲۵) اس منطقی ربط کے اظہار کے لئے مودودی صاحب کی غیر منطقیانہ روش کو ملاحظہ کرنے سے پہلے آپ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اوپر کی ساری تحقیق اس بات کی روشن دلیل ہے کہ الٰہ کا صرف ایک مفہوم ہے یعنی "پرستیدہ" اس کے علاوہ جو دوسرے مفہومات ہیں وہ لفظ الٰہ کے معانی نہیں۔ الٰہ کوئی لفظ مشترک نہیں جس کے چند معانی ہوں بلکہ یہ ایک مفہوم کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے جس کا مصداق ہر وہ ذات ہے جو پرستیدہ ہو خواہ حق ہو یا باطل۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں لفظ الٰہ یا رب بول کر اس کا معنی لغوی نہیں مراد لیا گیا ہے بلکہ اس کا لازمی معنی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ اس کی تشریح کی جا چکی ہے اس مراد لینے میں چونکہ لفظ کا معنی نہیں، نیز یہ مراد لینا اس بات کو بھی مستلزم نہیں کہ لفظ الٰہ لفظ مشترک ہو جائے۔ حضرت عدی ابن حاتم کے سوال سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا

ہوں کہ الٰہیت و ربوبیت کے معنی اطاعت نہیں ورنہ وہ اپنے احبار و رہبان کی اطاعت کے منکر نہ ہوتے اور پھر یہ سوال نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ الٰہیت و ربوبیت کا ایمان لانے کے بعد بھی جو حق ان کے ذہن میں تھا وہ اطاعت کے سوا کچھ اور تھا لہٰذا وہ حیران ہو کر سوال کر بیٹھے لیکن جب رسول کریم نے توضیح کر دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہاں الٰہیت و ربوبیت کا معنی لازمی مراد ہے لہٰذا وہ مطمئن ہو گئے۔ اب اس حقیقت سے پردہ اٹھ گیا کہ جو شخص فوق الطبعی (بمعنی فوق العادۃ و فوق ادراک) معنی میں کسی کو اپنا حامی و مددگار، مشکل کشا، حاجت روا، دعاؤں کا سننے والا، اور نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے اس کے ایسا سمجھنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اس کے نزدیک وہ ہستی نظام کائنات میں ہر نوعیت کا مستقل بالذات اقتدار رکھتی ہے یعنی وہ اپنے اس اقتدار میں کسی کی مرہون منت نہیں نیز اس کے اقتدار کے اوپر کسی اور اقتدار کا تصور نہیں (اس کو "اقتدار حقیقی" کہیں گے) یا اس کا اقتدار اقتدار حقیقی والے کے مساوی ہے دوم یہ کہ وہ ہستی نظام کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت کا اقتدار تو رکھتی ہے لیکن اس کا یہ اقتدار کسی اقتدار اعلیٰ اور مستقل بالذات قدرت رکھنے والے کے فضل و عطا کا ثمرہ ہے۔... اسی طرح جو شخص کسی سے تقویٰ یا خوف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ناراضی میرے لئے نقصان دہ اور رضامندی میرے لئے فائدے کی موجب ہے اس کے اس اعتقاد و عمل کی بھی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ وہ اپنے ذہن میں اس ہستی کے متعلق مستقل بالذات حقیقی اقتدار کا تصور رکھتا ہے دوم یہ کہ وہ اپنے ذہن میں اس ہستی کے متعلق ایک طرح کے اقتدار کا تصور تو رکھتا ہے لیکن اس کو اپنے اس اقتدار میں مستقل بالذات نہیں تسلیم کرتا بلکہ اس کے اقتدار کو عطائی اقتدار مانتا ہے..... پھر جو شخص خداوند اعلیٰ کے ماننے کے باوجود اس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لئے رجوع کرتا ہے اس کے اس فعل کی بھی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار حقیقی میں ان کو کسی نہ کسی طرح کا حصہ دار سمجھ رہا ہے یعنی اللہ کے اقتدار کو بھی حقیقی مانتا ہے اور دوسروں کے اقتدار کو بھی نیز دوسروں کو خدا کا معاون و مددگار اور شریک کار تصور کرتا ہے دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار ذاتی میں تو کسی کو شریک نہیں کرتا اور نہ کسی کو خدا کا معاون و مددگار تصور کرتا ہے بلکہ ان دوسروں کے اقتدار کو اللہ ہی کا عطا کردہ

اقتدار اور ان کی حاجت روائی کو خدا ہی کی حاجت روائی سمجھتا ہے الحاصل وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے مظاہر جانتا اور مانتا ہے علیٰ ہذا القیاس وہ شخص جو کسی کے حکم کو قانون اور کسی کے امر و نہی کو اپنے لئے واجب الاطاعۃ قرار دیتا ہے تو اس کی بھی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ وہ اسے مقتدر اعلیٰ یعنی مستقل بالذات تشریعی اقتدار رکھنے والا تسلیم کرتا ہے دوم یہ کہ اس کو حقیقی اقتدار والا تو نہیں تصور کرتا لیکن یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت اس حقیقی اقتدار والے کی اطاعت کے خلاف اور متصادم نہیں ہے بلکہ یہ اطاعت بھی اسی قدرت کاملہ مستقلہ والے ہی کی اطاعت ہے اور اسی اقتدار حقیقی والے نے ان مقتدرین کے بعض کو قانون سازی کا پورا اختیار دیا ہے لہٰذا ان کا بنایا ہوا قانون خدا ہی کا قانون ہے اس کی تعمیل خدا ہی کے قانون کی تعمیل ہے۔ …… اس سلسلے میں قرآن کریم کی ساری ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام صورتوں کی پہلی شقوں کو صرف خدا کے لئے خاص فرماتا ہے اور دوسری شقوں کو صرف محبوبان بارگاہ کے لئے ثابت کرتا ہے اب اگر کسی نے پہلی شقوں میں سے کسی شق کو غیر خدا کے لئے تسلیم کیا تو یقیناً وہ مشرک اور خدائی سلطنت کا باغی ہو گیا اور اس کا یہ کردار خدائی اقتدار کے مقابلے میں ایک محاذ بنانے کے مرادف ہو گیا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ غیر خدا میں یہ اقتدار مستقل چھوٹا خدا کہہ کر تسلیم کرے یا بڑا خدا کہہ کر مانے۔ اس میں بعض صفات مخلوق کو ثابت مانتے ہوئے مانے یا ہر صفت مخلوق کی اس سے نفی کر کے مانے ہر حال میں غیر خدا میں پہلی شقوں والے اقتدار کا اعتقاد شرک ہے اسی طرح تمام صورتوں کی دوسری شقوں کی کسی نوع کو اگر کوئی کسی ایسے میں تسلیم کرے جو اس کی صلاحیت و استعداد نہ رکھتے ہوں، قرآنی آیات سے جن کی عدم قابلیت واضح ہو چکی ہو اور جو خدا کے دشمن ہوں تو کہا جائے گا کہ ماننے والا خدائی سلطنت کا باغی اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

پس الوہیت کی اصل روح ''اقتدار حقیقی'' ہے خواہ وہ حقیقی اور مستقل بالذات اقتدار اس معنی میں سمجھا جائے کہ نظام کائنات پر اس کی حقیقی فرمانروائی ہے یا وہ اس معنی میں تسلیم کیا جائے کہ دنیوی زندگی میں انسان اس حقیقی اقتدار کے تحت امر ہے اور اس مستقل بالذات اقتدار رکھنے والے کا حکم بذات خود واجب الاطاعۃ ہے ہماری اس تحریر کی روشنی میں اگر مودودی

صاحب کی اس تحریر کو دیکھا جائے جو انہوں نے اسی عنوان کے تحت درج کیا ہے تو ہمارے اس دعوے کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ مودودی صاحب کا مزعومہ منطقیانہ ربط کس قدر غیر منطقی نیز ان کی تشریح میں کس درجہ کجی ہے!

قرآن کا استدلال:

یہی اقتدار مستقل کا تصور ہے جس کی بنیاد پر قرآن اپنا سارا زور غیر اللہ کی الٰہیت کے انکار اور صرف اللہ کی الٰہیت کے اثبات پر صرف کرتا ہے اس کا استدلال یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات و اقتدارات کی مستقل بالذات مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت و زور بالکل اسی کے ''دست قدرت[1]'' میں ہے اس کے سوا کسی کے پاس کوئی حقیقی اقتدار ہے اور نہ کسی کو حکم دینے کا مستقل بالذات اختیار۔ نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے بذاتہ واقف ہے اور نہ کوئی اختیارات و حکومت مستقلہ میں ذرہ برابر شریک و حصہ دار ہے۔ لہٰذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے تو تمہارا ہر فعل جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو اصلاً غلط ہے خواہ وہ دعا و التجا کرنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو یا خوف و رجاء کا فعل ہو یا سفارشی بنانے کا فعل ہو یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے ان کو الٰہ سمجھ کر قائم کر رکھے ہیں یہ تمہاری نادانی ہے۔ الٰہ صرف اللہ تعالیٰ ہے

---

[1] مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ''قوت و زور بالکل اس کے ہاتھ میں ہے'' حالانکہ اللہ تعالیٰ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ سے پاک و منزہ ہے۔ خدا کے لئے ہاتھ ماننا اس کا عقیدہ ہے جو خدا کو جسم سمجھتے ہیں جس میں ابن تیمیہ اور ابن عبدالغنی بھی ہیں خدا کو جسم قرار دینے یا اس میں ایسی صفات تسلیم کرنے کو جو مستلزم جسمیت ہو ''ائمہ شریعت اسلامیہ'' نے کفر لکھا ہے نصوص میں جہاں کہیں لفظ ید آیا ہے اس کی تاویل قدرت سے کی گئی ہے یا اس کو مجہول الکیفیت قرار دیا گیا ہے اور تاویل سے سکوت اختیار فرمایا گیا ہے اور اگر ہاتھ سے مراد کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت ضروری تھی اس جملے کے بعد مودودی صاحب کہتے ہیں ''ہر چیز چار و ناچار اس کی اطاعت کر رہی ہے'' اس جملے کو اگر مودودی صاحب ہی کی ان تحریرات کی روشنی میں دیکھا جائے جو عبادت کی انہوں نے ''تفہیمات اول'' میں کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک مشرکین کی بت پرستی بھی اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت ہے تو اس جملے سے ان کا مقصود کیا ہے وہ واضح ہو جاتا ہے۔

کیونکہ وہی اکیلا حقیقی اقتدار والا ہے۔

"قرآن کا استدلال" کے تحت مودودی صاحب کی تحریر کا اگر یہی مطلب ہے جو میری اس تحریر مذکور سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے!۔ اس تحریر سے ظاہر ہو گیا کہ محبوبان بارگاہ سے التجا کرنے، پناہ ڈھونڈ ھنے، خوف رجا کرنے، سفارشی بنانے، حکم ماننے اور اطاعت کرنے کے افعال ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ سارے تعلقات الٰہ نہیں بلکہ مقبول الٰہ سمجھ کر اور قوانین الٰہیہ وفرامین خداوندی کے پابند رہ کر قائم کئے گئے ہیں۔

قرآن وحدیث سے ان کی اس شان کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ثبوت ملتا ہے، جس کی طرف مفصل اشارے گزر چکے ہیں..... قرآن کے استدلال کا روئے سخن تو صرف کفار ومشرکین کی طرف ہے، لہٰذا کفار شکن آیات کو مومنین شکن قرار دینا اگر ایک طرف دیانت تحقیق کے خلاف ہے تو دوسری طرف قرآنی مفہوم کی تحریف بھی ہے..... لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر مودودی صاحب کی وہی مراد ہے جو میری تحریر سے ظاہر ہے تو ان کا انداز نگارش نہایت ناقص ہے جو ایک خالی الذہن انسان کو قرآن مفہوم ومقصود سے دور ہٹا سکتا ہے اسی لئے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس عبارت کو ایسا واضح کر دوں کہ قرآنی مفہوم کے سوا کوئی دوسرا مفہوم اس سے سمجھا نہ جا سکے اور اگر مودودی صاحب کا مقصود ہماری تحریر کے مقصود سے معارض ومخالف ہے تو ان کو اپنے مقصود کی مکمل تشریح کر کے اس کے ہر ہر پہلو کو مدلل ومبرہن کرنا چاہئے تھا۔

حقیقی اقتدار صرف خدا کے پاس ہے اس باب میں قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے اسے قرآن ہی سے معلوم کیجئے لیکن..... اس مقام پر یہ خیال رہے کہ یہ ایک امر واقعی ہے اور اسلامی متفق علیہ عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی تمام صفات میں مستقل بالذات، ازلی، ابدی واجب ہے بلفظ مختصر اس کی تمام صفات ذاتی ہیں خدا کی کسی صفت کو ذاتی و مستقل نہ سمجھنا کفر ہے لہٰذا خواہ عبارت میں ان قیدوں کا اظہار نہ ہو بہر حال یہ ملحوظ خاطر رہیں گی اور خدا کے لئے جس صفت کا بھی اثبات کیا جائے گا وہ صفت ذاتی ہی ہوگی اسی طرح اگر کسی غیر خدا سے کسی صفت کی نفی کر کے خدا کے لئے اس کو ثابت کیا گیا ہوگا تو وہ وہی صفت ہوگی جو خدا کی صفت ہو سکے یعنی

ذاتی۔ الحاصل غیر سے نفی اسی ذاتی کی ہے اور خدا کے لئے ثبوت اسی ذاتی کا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ تمام اغیار سے کسی صفت ذاتی کی نفی اور پھر ذات خدا کے لئے اسی صفت ذاتی کا ثبوت اس بات کو نہ تو مستلزم ہے اور نہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے اس صفت سے کسی کو سرفراز ہی نہیں کیا اس لئے کہ ممکن ہے کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے اپنی کسی صفت سے اپنے خاص بندوں کو نوازدے۔

یہ بڑی اہم اور اصولی بات ہے، آیات کو سمجھنے کے لئے ان کا ذہن میں رہنا اشد ضروری ہے۔

۱۸) ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ﴾

(الزخرف آیۃ ۸۴)

یعنی، اور وہی[1] آسمان والوں کا معبود اور زمین والوں کا معبود اور وہی حکمت وعلم والا۔

یعنی ساری کائنات کی تخلیق اور اس کا نظام چلانے کے لئے جس علم وحکمت کی ضرورت ہے وہ اسی کے پاس ہے۔

۱۹) ﴿اَفَمَنْ یَّخْلُقُ[2] كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ[3] ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: آیۃ ۱۷)

---

[1] اس آیت کے کچھ ہی دور آگے یہ عبارت ہے: ولا یملک الذی یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم یعلمون جس کا صاف مطلب یہ ہے ان کے وہ معبود جنہیں وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کے مالک نہیں جیسا کہ ان کا گمان ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں... ہاں..... "مالک شفاعت" وہ ہے جس نے کلمۂ توحید کی شہادت دی ہے اور اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہی اس کا رب ہے (مدارک)...
جلالین میں ہے ولا یملک الذین یدعون یعبدون ای الکفار من دونه ای الله الشفاعة لاحد الا من شهد بالحق ای قال لا اله الا الله وهم یعلمون بقلوبهم ما شهدوا به بالسنتهم وهم عیسی وعزیر والملائکة فانهم یشفعون للمؤمنین (جلالین) اور نہیں مالک ہیں وہ جنہیں کفار اللہ کے سوا پوجتے ہیں کسی کی شفاعت کے..... لیکن... وہ جنہوں نے کلمۂ حق لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی اور زبان سے جو شہادت دی دل سے اس پر یقین رکھتے ہیں اور وہ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور حضرات ملائکہ ہیں اس لئے کہ یہ حضرات مومنین کی شفاعت کریں گے۔

[2] وهو الله (جلالین)

[3] وهو الاصنام حیث تشرکونها معه فی العبادة (جلالین) یعنی اس آیت میں "من لا یخلق" سے مراد اصنام (بت) ہیں اس لئے کہ ان کو کفار عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔

یعنی تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

کفار عرب اپنے بتوں کو خالق نہیں مانتے تھے اس کے باوجود انہیں خدا کی طرح جانتے تھے اسلئے انہیں پوجتے تھے اس آیت میں اس کی تردید فرمائی یعنی مخلوق خالق کی طرح نہیں ہو سکتی تو اس کی طرح معبود کیسے ہوگی خیال رہے کہ تعظیم اس کے خاص بندوں کی بھی ہے مگر عبادت صرف رب کی ہونی چاہئے عبادت میں معبود کو رب یا رب کے مثل مان کر تعظیم کی جاتی ہے نماز میں کعبہ کی تعظیم اور رب کی عبادت ہے لیکن مشرک کا سجدہ بھی بت کی طرف اور عبادت بھی بت کی لہٰذا وہ فعل شرک ہے مومن کا آب زمزم کی تعظیم کرنا عین ایمان ہے لیکن مشرک کی گنگا جل کی تعظیم شرک ہے۔

۲۰) ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

(النحل: آیۃ ۲۰-۲۱-۲۲)

یعنی، اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں اور کچھ نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود ایک ہے۔

اس آیت کریمہ کی مفصل تشریح گزر چکی ہے لہٰذا اس کی تشریح کے متعلق کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس مقام پر ایک سوال کروں گا کہ اگر میں آپ کے روبرو قرآن کی چند آیات کو اس کے ترجمہ کے ساتھ اسی طرح رکھوں جس طرح مودودی صاحب نے رکھا ہے تو کیا آپ محسوس کریں گے کہ آیات کریمہ کا درمیانی کوئی جملہ محذوف ہے۔ ابھی آپ کی سمجھ میں میرا یہ سوال نہ آئے گا پہلے آپ مودودی صاحب کی منقولہ آیات خود انہیں کے ترجمے کے ساتھ ملاحظہ فرمالیجئے۔

"افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون الھکم الہ واحد (النحل:آیۃ ۱۷، ۲۰، ۲۲) تو کیا جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو پیدا نہیں کرتا دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تمہاری سمجھ میں

بات نہیں آتی؟ خدا کو چھوڑ کر یہ جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں تمہارا الٰہ تو ایک ہی الٰہ ہے"۔

(بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۲۶-۲۷)

آیات کریمہ کو ان کے ترجمے کے ساتھ دیکھئے اور بتائیے کیا ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ان آیات کے درمیانی کچھ جملے اڑا دیئے گئے ہیں یا۔۔۔ مختلف آیتیں ہیں جن کو اکٹھا کیا گیا ہے انداز نقل اور طرز نگارش ترجمہ دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ نہ تو یہ مختلف مقامات کی آیتیں ہیں جن کو اکٹھا کیا گیا ہے اور ان کے درمیان کا کوئی جملہ اڑا دیا گیا ہے لیکن اب آپ کے سامنے یہ حقیقت آئے گی کہ سورۂ نحل کے دوسرے تیسرے رکوع میں جو اصل ہے یہ نقل اس کے مطابق نہیں ہے پہلے اصل ملاحظہ فرمایئے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل: آیۃ ۱۷ تا ۲۲)

اصل کی خط کشیدہ آیات مودودی صاحب کی نقل سے الگ رہ گئیں اور کوئی ایسا امتیازی نشان بھی نہیں جو بتا سکے کہ درمیانی کچھ آیتیں محذوف ہیں اس طرز نقل کو قرآن کریم میں تحریف نہ کہا جائے گا تو کیا کہا جائے گا؟

۲۱) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ (فاطر: آیۃ ۳)

یعنی، اور اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے آسمان و زمین سے تمہیں روزی دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

اللہ کے سوا جب کوئی رازق نہیں تو روزی کی طلب میں دل رب سے لگانا چاہئے دیگر چیزیں رزق کا سبب ہیں رازق نہیں لہٰذا رزق یا سبب رزق کی پوجا نہ کرو۔ اس آیت میں علم، زمین، سورج پوجنے والے مشرکین کا رد ہے اور ان کا بھی رد ہے جو بندوں کو اپنے اعمال کا یا کسی غیر خدا کو کسی چیز کا خالق مانتے ہیں نیز اس بات کی ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو خوب یاد کیا جائے تحدیث نعمت بھی عبادت الٰہی ہے اور حضور آیہ رحمت تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہیں تو ان کا ذکر تنہا کیا جائے یا جماعت میں بہرحال تحدیث نعمت خداوندی ہے، اور عبادت الٰہی ہے اس میں ہر وہ دینی مجلس داخل ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی یاد اور شکر کی ترغیب ہے۔

۲۲) ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ﴾ (انعام آیہ ۴۶)

یعنی تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔

یعنی اللہ تمہارا یہ حال کردے کہ تم پر ناصح کی نصیحت اثر نہ کرے اور آنکھوں سے اللہ کی آیتیں دیکھ نہ سکو نیز کانوں سے رب کا کلام سن نہ سکو یا اللہ تمہارے دیکھنے، سننے کی قوتیں سلب کرلے اور عقل کو چھین لے تو کوئی نہیں جو اس کو تمہارے لئے واپس لا سکے اور خدا سے مقابلہ کرسکے طبیب کی دوا، بزرگوں کی دعا بھی رب کی مرضی ہی سے اثر کرتی ہے رب ہی شفا بخشتا ہے اور یہ چیزیں اسباب ہوتی ہیں۔

۲۳) ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (قصص آیہ ۷۰-۷۱-۷۲)

یعنی، اور وہی ہے اللہ کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے، دنیا و آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ (تعالیٰ) ہمیشہ تم پر قیامت تک رات رکھے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے کیا تم سنتے نہیں تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ دن رکھے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لادے جس میں آرام کرو تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

یعنی اے مشرکو تم بھی مانتے ہو کہ تمہارے ان جھوٹے معبودوں میں ان تصرفات کی قدرت نہیں پھر تم انہیں کیوں پوجتے ہو۔ خیال رہے کہ حضور آیہ رحمت نے ڈوبا ہوا سورج لوٹایا ہے لیکن بارگاہ الٰہی میں دعا کرکے لہٰذا یہ واقعہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ وله الحکم میں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے...... یا ...... نیکوں کی مغفرت کا حکم ہے۔ یا گنہگاروں کے لئے شفاعت صالحین کا حکم ہے واللہ ورسولہ اعلم

۲۴) ﴿قُلِ[1] ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ[2] مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ[3] فِی

[1] یا محمد لکفار مکة (جلالین) للمشرکین قومك (مدارک) یعنی اے رسول "مشرکین قریش" سے کہو۔

[2] زعمتموهم الهة (جلالین) زعمتموهم الهة من دون الله (مدارک) یعنی جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود گمان کرلیا ہے...... ادعوا الذین عبدتموهم من دون الله من الاصنام والملائکة وسمیتموهم باسمه والتجئوا الیهم کما تلتجئون الیه وانتظروا استجابتهم کما تنتظرون استجابته (مدارک) بلاؤ ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا پوجا یعنی اصنام اور ملائکہ کو جن کا تم نے وہی نام رکھ لیا جو اللہ کا نام ہے (یعنی الٰہ) جن سے تم نے اسی طرح التجا کی جس طرح اللہ سے التجا کرتے ہیں اور جن کی استجابت کا تم نے اسی طرح انتظار کیا جس طرح کہ اللہ کی استجابت کا انتظار رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی سے ایسی التجا کرنی یا کسی سے قبولیت کی ایسی امید رکھنی جس سے اس کی خدا سے ان امور میں ہمسری اور برابری لازم آئے اسی طرح کا شرک ہے جس طرح کہ کسی کو الٰہ کہا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔

[3] من خیر او شر او نفع او ضر (مدارک) یعنی درحقیقت کوئی بھی بذاتہ ایک ذرہ کا بھی مالک نہیں بے ارادہ الٰہی نہ تو کوئی کسی کو خیر پہنچا سکتا ہے نہ شر نہ نفع نہ نقصان اور اگر اللہ ہی چاہے تو وہ مرجا ہے پردہ ہے جس کو چاہے سبب خیر و نفع بنادے اور جس کو چاہے سبب شر و نقصان۔

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ[1] وَّمَا لَهٗ[2] مِنْهُمْ[3] مِّنْ ظَهِيْرٍ[4] وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ[5] اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ[6]﴾ (سبا: آیہ ۲۲-۲۳)

یعنی، تم فرماؤ پکارو انہیں جنہیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کیلئے وہ اذن فرمائے۔

۲۵) ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

[1] شرکۃ (جلالین) وما لھم فی ھذین الجنسین من شرکۃ فی الخلق ولا فی الملک (مدارک) اور نہیں ہے ان کے لئے ان دونوں جنسوں (آسمان و زمین) میں کوئی حصہ داری نہ تو خلق میں حصہ دار ہیں نہ ملک میں۔ خلق میں حصہ داری کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اللہ پیدا فرمادے اور کچھ یہ پیدا کریں۔ اسی طرح ملک میں حصہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بعض چیزیں اللہ کی ملک میں رہیں ان کی ملک میں نہ رہیں اور بعض چیزیں ان کی ملک میں رہیں خدا کی ملک میں نہ رہیں۔

[2] تعالیٰ (مدارک) یعنی آیت میں لہ کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

[3] من الالھۃ (جلالین) من الھتھم (مدارک) یعنی آیت میں منہم کے ہم سے مراد مشرکین کے پرستیدہ ہیں۔

[4] .....علی تدبیر خلقہ ..... فکیف یصح ان یدعوا کما یدعی ویرجوا کما یرجی (مدارک) یعنی خلق کی تدبیر و انتظام میں اللہ کا کوئی مددگار نہیں تو پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو اسی طرح بلایا جائے جس طرح کہ خدا کو بلایا جاتا ہے اور دوسروں سے اسی طرح کی رجاء رکھی جائے جس طرح کی خدا سے رکھی جاتی ہے الحاصل غیر خدا کی خدا سے ہمسری کسی طرح معقول نہیں۔

[5] تعالیٰ رد لقولھم ان الھتھم تشفع عندہ (جلالین) عندہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس میں مشرکین کے اس قول کا رد ہے کہ ہمارے معبود اللہ کے نزدیک سفارشی ہیں)

[6] ای اذن لہ اللّٰہ یعنی الا من وقع الاذن للشفیع لاجلہ ..... وھذا تکذیب لقولھم ھؤلاء شفعاؤنا عند اللّٰہ (مدارک) یعنی شفاعت اسی کے لئے سودمند ہوگی جس کی شفاعت کا اذن شفیع کو دے دیا گیا ہو یہ تکذیب ہے ان کے قول "ھؤلاء شفعاؤنا عند اللّٰہ" کی۔ معلوم ہوا کہ شفیع و مشفوع دونوں کے لئے اذن الٰہی ضروری ہے لہٰذا شفاعت صرف صالحین کریں گے۔ اور صرف مومنین کی کریں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ملائکہ صالحین میں ہیں نہ کہ اصنام کی طرح۔

مودودی فریب کا ایک اور نمونہ آیت حصہ غائب

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ (الزمر: آیہ ۵-۶)

یعنی، اس نے آسمان و زمین حق بنائے رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہر ایک ایک ٹھہرائی میعاد کے لئے چلتا ہے سنتا ہے وہی صاحب عزت اور بخشنے والا ہے اس نے تمہیں ایک جان سے بنایا پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک طرح کے بعد اور طرح تین اندھیریوں میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔

خط کشیدہ آیت کریمہ مودودی صاحب کے منقولہ آیات سے نکالی ہوئی ہے اور لاجل مسمی سے خلقکم کو ایسا ملا دیا گیا ہے گویا درمیان میں کچھ اور ہے ہی نہیں ہر جگہ ہر حال میں حقیقی بادشاہت اسی کی ہے لہٰذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ بادشاہت تو بہت سے انسانوں کو ملی۔ خیال رہے کہ سلطنت، اطاعت، حکم، مدد مجازی طور پر بندوں کی بھی ہو سکتی ہے لیکن معبودیت رب کے سوا کسی کی صفت نہیں اس میں مجاز بنتا ہی نہیں بعض لوگ بادشاہ تو ہیں مگر الٰہ کوئی بھی نہیں.....

"خلقکم من نفس واحدۃ" سے بشریت اور انسانیت کے آغاز کی نشاندہی کرنی ہے، کائنات کی ابتدا بتانی مقصود نہیں۔ لہٰذا یہ آیت ان احادیث کے معارض و مخالف نہیں جس میں نور محمدی کو اول مخلوقات بتایا گیا ہے اور اسی نور کو ساری کائنات کی اصل قرار دیا گیا ہے ان آیات کو اگر آیت نمبر ۹ کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائے کہ یہ ساری آیتیں اصنام شکنی کے

لئے نازل فرمائی گئی ہیں اور اس کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کر دینا ہے کہ جن بتوں کو یہ مشرکین پوجتے ہیں وہ تو کسی قسم کی کوئی قدرت ہی نہیں رکھتے پھر ان کی پرستش کس قدر احمقانہ ہے آیت نمبر ۱۹ نمی آیات نمبر ۲۵ کے کچھ پہلے قرآن کریم میں موجود ہے جس کی بقدر ضرورت تشریح گزر چکی۔

۲۶) ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

(النمل: آیت ۶۰ تا ۶۴)

یعنی، یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا تو ہم

۱؎ یعنی وہی بہتر ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا بان من قدر علی خلق العالم خیر من جماد لا یقدر علی شیء (مدارک) یعنی جو سارے عالم کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ ان پتھروں سے بہتر ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔

۲؎ اس کی ایک توجیہ تو وہ ہے جو عبارت سے ظاہر ہے اور دوسری تو یہ ہے۔ او اراد بالخلافۃ الملك والتسلط (مدارک) یعنی خلافت سے ملک و تسلط مراد ہے یہ آیت "له الملك" اللہ ہی کے لئے ملک ہے، کے خلاف نہیں اس لئے کہ "له الملك" میں ملکیت سے مراد حقیقی ملکیت ہے اور یہاں ملکیت سے مراد مجازی ملکیت ہے۔

۳؎ فی دعواکم ان مع اللہ الٰہ اخر (مدارک) یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرا "معبود برحق" بھی ہے تو اس کی دلیل لاؤ الحاصل ان آیات سے بھی اسلام مخفی تصور ہے۔

نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں یا وہ جس نے زمین بسنے کی بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں اور اس کیلئے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی کیا اللہ کے ساتھ اور معبود (یعنی معبود برحق بالفاظ دیگر "خدا") ہے بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کے وارث کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے بہت ہی کم دھیان کرتے ہو یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی و تری کی اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے یا وہ جو خلق کی ابتداء فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم فرماؤ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

آسمان و زمین ظاہری کائنات کی اصل اور بہت سارے منافع کا مرکز ہیں اسی لئے اکثر انہیں کا ذکر فرمایا جاتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سارے انتظامات رب نے تمہارے لئے کئے ہیں اپنے واسطے نہیں ان کا نفع تم کو ہے تم کو بھی چاہئے کہ رب کو راضی کرنے کے لئے کچھ کام کرو..... امن خلق السموات سے پہلے محصلا ءالله خیر اما یشرکون کیا اللہ بہتر ہے کہ ان کے خود ساختہ شریک۔ اسی کے تحت مدارک میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "یہ ان کو الزام اور ان کے حال سے تحکم ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی عبادت کے بجائے بتوں کی عبادت اختیار کی اور کوئی عاقل اس وقت تک کسی چیز کو اختیار نہیں کرتا جب تک کہ کوئی داعی اس کے اختیار کا مستدعی نہ ہو (مثلاً کثرت خیر و منفعت وغیرہ 'مدارک')۔ کلام کا منشا یہ ہوا کہ ان کو یہ علم ہے کہ جس کی وہ پرستش کر رہے ہیں اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں اور نہ کسی بھلائی کے حصول کی غرض سے اس کی پرستش کو اپنائے ہوئے ہیں ان کا یہ کردار محض ہوی اور عبث ہے اس کلام سے دو فائدے ہیں ایک تو ان پر ان کی جہالت آشکارا ہو جائے گی دوسرے وہ اس بات کو خوب سمجھ لیں گے کہ کسی کی عبادت کو

اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ یقین کر لیا جائے کہ اس میں زیادتی خیر ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے تو ارشاد فرماتے بل اللہ خیر و ابقی واجل و اکرم بلکہ اللہ ہی بہتر ہے باقی رہنے والا ہے اور اجل و اکرم ہے اس کے بعد امن خلق السموات سے رب سبحانہ تعالیٰ نے ان خیرات ومنافع کو شمار کرا دیا جو اس کی رحمت اور اس کے فضل کے آثار ہیں (مدارک ملخصاً)

۲۷) ﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا[1] وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ[2] وَخَلَقَ[3] كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا وَاتَّخَذُوْا[4] مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً[5] لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ[6] وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا[7] وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا[8] وَّلَا حَیٰوةً[9] وَّلَا نُشُوْرًا[10]﴾ (الفرقان: آیۃ ۲-۳)

[1] کما زعم الیهود والنصاری فی عزیر والمسیح علیهما السلام (مدارک) یعنی جیسا کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا خیال ہے۔

[2] کما زعمت الثنویہ (مدارک) جیسا کہ فرقہ ثنویہ کا گمان ہے۔

[3] ای احدث کل شیء وحدہ لا کما یقوله المجوس والثنویه من النور والظلمة ویزدان واهرمن (مدارک) یعنی اللہ نے تنہا تمام چیز کو عدم سے وجود بخشا ایسا نہیں جیسا کہ مجوس ثنویہ کہتے ہیں یعنی نور و ظلمت اور یزدان واہرمن۔

[4] ای الکفار (جلالین) الضمیر للکافرین (مدارک) یعنی اتخذوا کی ضمیر سے مراد کفار ہیں۔

[5] هی الاصنام (جلالین) ای الاصنام (مدارک) یعنی آیت میں من دونہ سے مراد اصنام (بت) ہیں۔

[6] یعنی انہوں نے ان کی عبادت پر خدا وحدت ملک۔ تقدیر خلق کے ساتھ منفرد ہے اس کی عبادت کو ترجیح دیا جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں (مدارک)۔

[7] نہ اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتے ہیں (مدارک)۔

[8] اماتة (مدارک)۔

[9] احیاء (مدارک) یعنی موت وحیات سے (مرنے جینے) سے مراد اماتت واحیاء (مارنا جلانا) ہے۔

[10] احیاء بعد الموت وجعلها کا العقلاء لزعم عابدیها (مدارک) یعنی نشور سے مراد مرنے کے بعد جلانا ہے اس کلام میں بتوں کو (عقلاء جیسا) ظاہر کیا ہے ان کے پجاریوں کے گمان کے سبب سے۔ کیونکہ ان کے پجاری انہیں عقلاء ہی سمجھتے تھے۔

یعنی وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس نے اختیار نہ فرمایا بچہ اور اس کی سلطنت کوئی ساجھی نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک انداز سے پر رکھی اور لوگوں نے اس کے سوا اور معبود ٹھہرائے کہ جو کچھ نہیں بناتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار ہے اور نہ جینے کا نہ اٹھنے کا۔

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ حضور کی نبوت بھی آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ حضور مملکت الٰہیہ کے خلیفہ اعظم ہیں لہٰذا جہاں خدا کی خدائی ہے وہاں حضور کی مصطفائی ہے لہٰذا یہ آیت پچھلی آیت لیکون للعالمین نذیرا کی دلیل ہے کہ حضور ساری خلقت کے رسول ہیں اس کے بعد ان کا رد فرمایا گیا جو رب کے لئے شریک مانتے ہیں یا اس کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو نیز یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے ان کا بھی رد ہو گیا جو خدا کے سوا اور بھی خالق مانتے تھے------- اور پھر------- وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً سے وَّلَا نُشُوْرًا تک میں خاص کر بت پرستوں کے رد کے لئے اصنام شکن انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔

۲۸) ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ[1] وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ[2] ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ[3] وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾

(الانعام: آیۃ ۱۰۲-۱۰۳)

[1] یعنی اس کو لڑکا کہاں سے ہوگا لڑکا عورت سے ہوتا ہے اور اس کی کوئی عورت نہیں اور اس لئے کہ ولادت صفات اجسام سے ہے اور جو خود مخترع الاجسام ہوگا وہ جسم نہ ہوگا کہ اس کے لڑکا ہو (مدارک)۔

[2] یعنی کوئی چیز نہیں جس کا وہ خالق و عالم نہ ہو اور جس کی یہ شان ہو وہ ہر چیز سے غنی ہوتا ہے اور لڑکا اس کو تو محتاج چاہتا ہے (مدارک)۔

[3] یعنی جو ان تمام صفات کا جامع ہو وہی عبادت کے لائق ہے تو اسی کو پوجو اس کے سوا اس کی بعض مخلوق کو نہ پوجو (مدارک)۔

یعنی، بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کو بنانے والا اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے، یہ ہے تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

رزق، موت، قتل، اجل سب اس کی نگہبانی میں ہیں اس کے باوجود ہم کو حکم ہے خذوا حذرکم کفار سے بچاؤ کے اسباب اختیار کرو۔ مصیبت کے وقت حکام، حکیم کے پاس جاؤ کیونکہ یہ لوگ۔ رب کی نگہبانی کے مظہر ہیں اسی طرح ضرورت کے وقت حاجت روائی کے لئے نبی و ولی کے دروازے پر جانا ضروری ہے اور رب پر توکل کے خلاف نہیں۔

۲۹) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا[1] يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ[2] وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (بقرۃ: آیۃ ۱۶۵)

یعنی، اور جو لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں اور کیسی ہو اگر دیکھیں ظالم وہ وقت جب کہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لئے کہ سارا زور خدا کو ہے۔

جلالین حاشیہ جلالین میں ہے کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کی محبت میں منفرد ہیں رو گئی انبیاء

[1] اصناما یحبونهم بالتعظیم والخضوع کحب الله ای کحبهم له (جلالین) امثالا من الاصنام (مدارک) یعنی انداد سے مراد امثال ہیں اور اس مقام پر وہ اصنام (بت) ہیں جن کے آگے کفار ایسی تعظیم و خضوع اور تذلل و عاجزی کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ وہ اللہ سے کرتے ہیں۔

[2] کتعظیم الله والخضوع له ای یحبون الاصنام کما یحبون الله یعنی یسوون بینهم وبینه فی محبتهم لانهم کانوا یقرون بالله ویتقربون الیه وقیل یحبونهم کحب المؤمنین الله (مدارک) جیسے اللہ کے لئے تعظیم اور اس کے لئے خضوع یعنی یہ مشرکین بتوں سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرتے ہیں یعنی اپنی محبت میں وہ اللہ اور اصنام کے مابین مساوات برتتے ہیں یہ توجیہ اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے اقرار کرنے والے تھے اور اس سے تقرب چاہتے تھے اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی کہ مؤمنین اللہ سے کرتے ہیں۔

اولیاء کی محبت تو در حقیقت یہ خدا ہی کی محبت ہے، اگر تم یہ کہو کہ کفار بھی انداد و شرکاء سے ایسی محبت کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ سے انہیں قریب کر دیں تو یہ بھی تو اللہ ہی کی محبت کا اقتضاء ہے تو میں جواب میں کہوں گا کہ ان کا شرک یہ نہیں ہے کہ وہ ان شرکاء سے محبت کرتے تھے بلکہ ان کا شرک یہ تھا کہ وہ ان کو پوجتے تھے محبت اور عبادت میں فرق ہے اللہ کے سوا کوئی دوسرا مستحق عبادت نہیں لہٰذا اگر کوئی انبیاء و اولیاء کی عبادت کرے تو وہ بھی مشرک ہے بخلاف محبت کے اس لئے کہ محبت ہر اللہ کے مقرب مثلاً انبیاء و اولیاء سے کی جاتی ہے (انتہیٰ ملخصاً و مشرحاً)

ہاں! یہ ضرور ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ اللہ کا دشمن ہے کو شرک نہیں لیکن کفر ضرور ہے لیکن اگر کوئی غیر اللہ سے ایسی محبت رکھے جو اللہ سے رکھنی چاہئے یعنی الوہیت کی محبت تو یہ بھی کھلا ہوا شرک ہے۔ الوہیت کی محبت صرف رب سے ہونی چاہئے محبت کی بہت سی قسمیں ہیں، سب میں قوی الوہیت و بندگی والی محبت ہے نبی سے نبوت کی محبت، ولی سے ولایت کی محبت، باپ سے ابوۃ کی محبت سب اللہ کی محبت کے بعد ہے اور چونکہ ان تعلقات خاطر میں اسی کی اطاعت ملحوظ خاطر ہے لہٰذا یہ سب کچھ اللہ ہی کی محبت پر مشتمل ہیں۔

جلالین نے سائل کے سوال سے اس پہلو کو کہ کفار شرکاء سے جو محبت کرتے تھے وہ اللہ کی محبت کے بعد تھی فرضی طور پر تسلیم کر کے جواب دیا ہے ورنہ قرآن کریم کی صراحت بتا رہی ہے کہ وہ رب کی محبت اور شرکاء کی محبت دونوں میں مساوات برتتے تھے...... جس کا اعتراف خود کفار کو ہے جب ہی تو وہ دوزخ میں اپنے بتوں سے کہیں گے!......

﴿تا اللّٰه ان کنا لفی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین﴾

یعنی، خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

۳۰) ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ[1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ[2] اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ

[1] تعبدون (جلالین)۔

[2] ای الاصنام (جلالین)... تعبدونه من الاصنام (مدارک) یعنی آیت میں "تدعون" بمعنی تعبدون (پوجتے ہیں) کے ہے اور "من دون اللہ" سے مراد اصنام (بت) ہیں۔

مودودی خیانت کا ایک اور نمونہ

لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ[1] وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا[2] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[3] وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ[4] غٰفِلُوْنَ[5]﴾ (احقاف: آیۃ ۴-۵)

یعنی تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا ذرہ بنایا یا آسمان میں ان کا کون سا حصہ ہے میرے پاس لاؤ اس سے پہلے کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں۔

یہاں بھی خط کشیدہ آیت کریمہ مودودی صاحب کی منقولہ آیات کے درمیان سے نکالی ہوئی ہے اور فی السموات کو ومن اضل سے ایسا ملا دیا ہے گویا درمیان میں کوئی آیت ہی نہیں۔

..... گزشتہ انبیاء کرام کے ارشادات و تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اے مشرکو اشرک پر نہ تو تمہارے پاس عقلی دلیل ہے نہ نقلی یعنی کتاب آسمانی کا فیصلہ یا انبیاء کرام کے ارشادات لہذا تم جھوٹے ہو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے فرمان کتاب اللہ کی طرف واجب العمل ہیں اگر صرف کتاب اللہ ہی معتبر ہوتی تو اس کے بعد دوسرے آثار کا ان سے مطالبہ نہ ہوتا..... نیز تشریحات سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں من دون اللہ سے مراد بت ہیں کیونکہ جن انبیاء کی پوجا ہوتی ہے وہ حضرات ان

---

[1] عبادات اصنام کے سلسلے میں تمہارا جو یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمہیں اللہ تک پہنچا دیں گے اس دعوے کی صحت پر پہلوں کی کوئی اثر لاؤ (حاصل ماقی الجلالین)۔

[2] اگر تم سچے ہو" کہ اللہ نے تمہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے" (مدارک)۔

[3] یعبد (جلالین) یعنی آیت میں یدعو، یعبد کے معنی میں ہے۔

[4] وهم الاصنام لا يجيبون عابديهم الى شئ يسألونه ابدا (جلالین) اور وہ اصنام (بت) ہیں جو اپنے پجاریوں کے کسی سوال کا کبھی جواب نہ دیں گے۔

[5] عبادتهم (جلالین) یعنی دعاء کے معنی یہاں عبادت ہیں۔

[6] لانهم جماد لا يعقلون (جلالین) اس لئے کہ وہ نا سمجھ جماد (پتھر وغیرہ) ہیں ... اشار بذلك ان المراد من الغفلة عدم الفهم (کمالین) اشارہ اس بات کی طرف کیا ہے کہ غفلت سے مراد عدم الفہم (ناسمجھی) ہے۔

کی پوجا سے بے خبر دار بھی ہیں اور ان سے بیزار بھی ہیں۔ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ انبیاء کرام احیاء ہیں اموات نہیں تو ان کی سماعت بھی "سماع الاحیاء" ہے نہ "سماع الاموات" اور وہ بھی ایسے ویسے احیاء کی سماعت نہیں بلکہ نبوت کی سماعت، سماعت نبوت کو سمجھنے کے لئے سماعت سلیمانی کافی ہے جس نے تقریباً ۳ میل سے چیونٹی کی آواز سن لی۔[1]

۳۱) ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا[2] فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ لَا يُسْئَلُ[3] عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ[4]﴾ (انبیاء: آیۃ ۲۲-۲۳)

یعنی، اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود "برحق" ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

یہاں پوچھنے سے مطلب سرزنش اور حساب کا پوچھنا ہے یعنی کسی مخلوق کی جرأت نہیں کہ رب سے عتاب کی پوچھ گچھ کرے بلکہ رب تعالیٰ اس سے پوچھ گچھ کرے گا رہا سوال یا بھیک مانگنا اس میں معاملہ برعکس ہے کہ سب اس کے سوالی ہیں یسئله من في السموات والارض فرشتوں نے رب تعالیٰ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی حکمت پوچھی تھی وہ سوال ہی اور تھا۔

---

[1] انبیاء کرام کے مقام علم و خبر کو سمجھنے کے لئے "مسئلہ حاضر و ناظر" (مطبوعہ: محدث اعظم اکیڈمی کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد) کا مطالعہ کافی ہے اور اگر کافی تحقیق و تدقیق مقصود ہو تو "الدولة المكية بالمادة الغيبية" (عربی) از افاضات عالیہ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا اور الكلمة العليا (اردو) لصدر الافاضل مراد آبادی کا مطالعہ فرمائیں پھر اس مسئلہ سے متعلق آپ کے ذہن میں کوئی شک باقی نہ رہے گا.....

[2] معنی یہ کہ اگر آسمانوں اور زمین کا نظام اس ایک کے سوا جو ان کا خالق ہے مختلف معبود چلاتے تو زمین و آسمان دونوں تباہ ہو جاتے (مدارک)۔

[3] لانه المالك على الحقيقة (مدارک) اس لئے کہ وہی مالک حقیقی ہے۔

[4] تو کیسے بہت سے معبود ہو سکتے ہیں اس لئے کہ الوہیت جنسیت اور مسئولیت کے منافی ہے (مدارک)۔

۳۲) ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون آیۃ ۹۱)

یعنی اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تعلّی چاہتا۔

معلوم ہوا کہ معبود (برحق) کے لئے خالق ہونا ضروری ہے مطلب یہ ہے کہ جب چند بادشاہوں میں ملک تقسیم ہو جاتا ہے تو اگر چند خالق ہو جاتے تو اپنا اپنا یا ملک تقسیم کر لیتے سارے عالم کا ایک ہی رب نہ ہوتا۔ کوئی رب کسی سے دب کر نہ رہتا اور نہ نیاز مند ہوتا غنی نہ ہوتا۔

۳۳) ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل آیۃ ۴۲-۴۳)

یعنی تم فرماؤ اگر اسکے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈھ نکالتے اسے پاکی اور برتری ان باتوں سے بڑی برتری کی۔

یعنی وہ معبود رب سے مقابلہ کرتے اور اس کے سارے ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ دوسرے کا دست نگر و محتاج ہونا عیب ہے اور ہر ایک اپنے عیب کو دور کرنے کی کوشش کرتا لہٰذا وہ معبود ین بھی خود مختار ہونے کے لئے یہ کرتے اور اگر مجبور ہے بسی پر راضی ہوتے تو وہ الٰہ نہ ہوتے لہٰذا یہ دلیل "برہان قطعی" ہے "دلیل اقناعی" نہیں۔

"قرآن کا استدلال" کے تحت جن آیات کو تحریر کرنے کے بعد مودودی صاحب نے تقریباً دو ورقی نوٹ دیا ہے آپ نے سب آیات کریمہ کو ان کی بقدر ضرورت تشریحات و حواشی کی روشنی میں ملاحظہ فرما لیا اور توقع ہے کہ کسی نہ کسی حد تک قرآن کریم کے اصل مقصود کو سمجھنے میں کامیاب بھی ہو گئے ہوں گے نیز یہ حقیقت آپ پر واضح ہوگی ہوگی کہ یہ آیات انبیاء و اولیاء کے مراتب عالیہ کو گھٹانے کے لئے نہیں نازل کی گئی ہیں اس لئے کہ ان کے کمالات علمیہ و عملیہ نیز

ا اس لئے کہ وہ نوع اور جنس سے منزہ ہے اور آدمی کا بچہ اسی کی جنس سے ہوتا ہے (مدارک)۔
۲ یعنی اگر ہوتا اللہ کے ساتھ کوئی معبود (برحق) (جلالین)۔

اختیارات و اقتدارات کے بیان سے نصوص بھرے پڑے ہیں بلکہ ان آیات کا منشا صرف اتنا ہے کہ مشرکین و کفار کے ان خیالات و نظریات کی بیخ کنی کر دی جائے جو اللہ کے مقابلے میں اپنے بے شعور معبودوں سے وابستہ رکھتے ہیں نیز ان تصورات و توہمات کا ابطال کر دیا جائے جو غلط طور پر انبیاء کرام و ملائکہ عظام کی ذات کے بارے میں قائم کر چکے ہیں کہ یہ اللہ کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں اللہ کی جنس سے ہیں نیز خدا کے مد مقابل ہیں وغیرہ وغیرہ من امثالہا معاذ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا.....

ان تمام آیات میں اول سے آخر تک ایک ہی مرکزی خیال پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الوہیت اور اقتدار حقیقی لازم و ملزوم ہیں اور اپنی روح و معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں جو اقتدار حقیقی نہیں رکھتا وہ الٰہ نہیں ہو سکتا اور اسے الٰہ نہیں ہونا چاہئے اور جو اقتدار حقیقی رکھتا ہے وہی الٰہ ہو سکتا ہے اور اسی کو الٰہ ہونا چاہئے کیونکہ الٰہ سے تمہاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں یا جن ضروریات کی خاطر تمہیں کسی کو الٰہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے ان میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار حقیقی کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مقتدر حقیقی مستقل بالذات کے غیر کا الٰہ ہونا بے معنی ہے حقیقت کے خلاف ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کی عبادت کے آداب بجالانا لا حاصل ہے...... اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقے سے استدلال کرتا ہے اس کے مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

(۱) "حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبر گیری و حفاظت اور استجابت دعوات جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے" اور بے شعور بتوں سے ان کی توقع کر رکھی ہے "دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا رشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیقی و انتظامی قوتوں سے جا ملتا ہے تمہاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں اولاً اس پر غور کرو تو تم کو معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے عظیم الشان کارخانے میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر ان کا پورا ہونا محال ہے پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو اور گیہوں کا ایک دانہ جو تم کھاتے ہو اس کو مہیا کرنے کے لئے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم

کو بہم پہونچتی ہیں جس تمہاری دعائیں سننے اور تمہاری حاجتیں رفع کرنے کے لئے کوئی معمولی اقتدار نہیں'' بلکہ وہ اقتدار حقیقی درکار ہے جو زمین وآسمان کو پیدا کرنے کے لئے درکار ہے یا کسی ایسے ذی اقتدار اور صاحب اختیار کے اقتدار کی ضرورت ہے، جس کو اقتدار حقیقی والے نے اقتدارات واختیارات کا سرچشمہ بنادیا، اور جس کا اقتدار واختیار منصوص ہو۔ بلفظ دیگر اس کا اقتدار واختیار حقیقی اقتدار واختیار کا مظہر ہو۔

(۲)۔ جس اقتدار حقیقی کا اوپر ذکر ہوا یہ مستقل بالذات اقتدار نا قابل تقسیم ہے کہ کائنات کی بعض چیزوں پر کسی اور کا حقیقی اقتدار ہو اور بعض دوسری چیزوں پر کسی اور کا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نظام کائنات کبھی چل ہی نہیں سکتا لہٰذا ضروری ہے کہ رزق ہو یا خلق، سورج ہو یا چاند، زمین ہو یا آسمان، بیماری ہو یا صحت، موت ہو یا زندگی، یہ سب کے سب ایک ہی مستقل بالذات مرکزی فرمانروا کے قبضہ میں ہوں'' کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہے'' اب وہ مرکزی فرمانروا جس کو چاہے سبب رزق بنادے اور جس کو چاہے ذریعہ تخلیق۔ جس سے چاہے چاند کے ٹکڑے کرادے اور جس کے لئے چاہے سورج پلٹادے۔ جس کو چاہے اپنا خلیفہ اعظم بنا کر زمین و آسمان میں تصرف کا اختیار دے دے، جس کے آگے چاہے بے جان درختوں کو جھکادے۔ جس کی بارگاہ عظمت میں چاہے جانوروں سے سجدہ کرادے۔ جس کی مرضی سے چاہے بے روح کنکریوں سے کلمہ پڑھادے۔ جس کی انگلیوں سے چاہے چشمے جاری کرادے۔ جس کے اشارہ ابرو پر چاہے اشیاء کی حقیقت وماہیت کو تبدیل کردے۔ جس کی دعا سے چاہے پانی کو دودھ بنادے۔ جس کو چاہے بیمار کے لئے شافی اور مردوں کے لئے زندگی بخش قرار دے۔ جس کو چاہے حاجت مندوں کے لئے حاجت روا بنادے، جس کو چاہے مدبرات امر بنادے اور جس کو چاہے نجوم ہدایت قرار دے وغیرہ وغیرہ تو اس مرکزی فرمانروا کو سب کا اختیار واقتدار ہے کوئی اقتدار والا نہیں جو اس کو ان امور سے روک سکے وہ ہر چاہے پر قادر ہے جس طرح چاہے اپنی کائنات کا نظام چلائے اور اگر ایسا ہی حقیقی اقتدار والا کوئی اور ہوتا تو البتہ تصادم ہو جاتا ایک کچھ کرنا چاہتا اور دوسرا کچھ۔

(۳)۔'' جب تمام اقتدار حقیقی ایک ہی فرمانروا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار حقیقی میں ذرہ

برابر کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے تو لا محالہ الوہیت بھی بالکلیہ اسی حقیقی فرمانروا کے لئے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے'' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس اقتدار حقیقی والے کے مقابلے میں اس کی مرضی کے خلاف ''تمہاری فریادرسی کرسکے، دعائیں قبول کرسکے، پناہ دے سکے۔ حامی وناصر اور ولی وکارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہونچا سکے''۔ لہٰذا تم کسی کی عبادت وپرستش جس مطلب ومقصد کے پیش نظر کرتے ہو کسی صورت میں بھی صاحب اقتدار حقیقی کے سوا کسی دوسرے کو الٰہ بنانا اور مستحق عبادت قرار دینا صحیح نہیں حتی کہ کسی کی اس لئے بھی عبادت وپرستش نہیں کی جاسکتی اور اس کو الٰہ نہیں بنایا جاسکتا کہ وہ مقتدر حقیقی کے ہاں درحقیقت یا محض درخیال مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اس کی سفارش مانی جاتی ہے اور نہ اس گمان فاسد کے پیش نظر ہی کسی کی پرستش کی جاسکتی ہے کہ بارگاہ مقتدر حقیقی میں اس کا زور چلتا ہے حالانکہ انتظام سلطنت میں خدا کے مقابلے میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے معاملات میں دخل اندازی کرسکے۔ رہ گیا سفارش قبول کرنا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے وہ جس کی شفاعت قبول کرنا چاہے گا اسی کو شفاعت کا اذن دے گا نیز جس کے لئے قبول کرنا چاہے اسی کے لئے دے گا نصوص نے اس کے ارادے کو ظاہر کردیا ہے کہ وہ انبیاء واولیاء وغیرہ صالحین کو اور صرف مومنین کے لئے شفاعت کا اذن عطا فرمائے گا گویا شافعیت کا اذن صالحین کو ملے گا اور مشفوعیت کا اذن مومنین غیر صالحین کے لئے ہے اب کون ہے اقتدار واختیار والا جو اس مقتدر حقیقی کے ارادے کو بدل دے اور بے شعور بتوں کو سفارشی بنادے، یا صالحین کو غیر مومنین کے لئے سفارشی قرار دے دے!

(۴)۔ اقتدار اعلیٰ یعنی مستقل بالذات اور حقیقی اقتدار کی ''وحدانیت کا اقتضاء یہ ہے کہ حقیقی حاکمیت اور حقیقی فرمانروائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مستقل بالذات مقتدر اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت حقیقی کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں'' جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کسی معاون ومددگار کا محتاج نہیں جب پورے نظام کائنات کا حقیقی مدبر ومنتظم وہ ہے اور تدبیر وانتظام میں کوئی اس کا معاون اور شریک کار نہیں تو یقیناً حقیقی حاکم حقیقی آمر اور حقیقی شارع اسی کو ہونا چاہئے

اور حقیقی اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا حقیقی فریاد رس، مستقل بالذات حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خود مختار فرمانروا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے تخلیق اور رزق رسانی، احیاء اور اماتت، تسخیر شمس وقمر اور تکویر لیل ونہار، قضا اور قدر، حکم اور بادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلی حقیقی اقتدار اور حاکمیت مستقلہ کے مختلف پہلو ہیں اور یہ حقیقی اقتدار اور حاکمیت مستقلہ ناقابل تقسیم ہے اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو تجاوز از حکم اللہ واجب الاطاعۃ سمجھتا ہے تو وہ ایسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ کو پوجنے والا شرک کرتا ہے اور اگر کوئی شخص حقیقی مالک الملک اور مستقل بالذات مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے" تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح کسی کا یہ کہنا کہ تمہارا حقیقی ولی وکارساز اور مستقل بالذات مددگار ومحافظ میں ہوں اسی لئے جہاں خلق اور تقدیر اشیاء اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں لہ الحکم ولہ الملک اور لم یکن لہ شریک فی الملک بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الوہیت کے مفہوم لازمی میں حقیقی بادشاہی اور مستقل حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحید اللہ کے لئے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہ تسلیم کی جائے اس کو اور زیادہ کھول کر حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔"

۳۳) ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ (آل عمران: آیہ ۲۶)

یعنی، یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور آیہ رحمت نے فارس وروم کی فتح کی خبر دی[1] تو منافقین اور

[1] یہ ہے رسول کا علم مافی اللہ کہ آئندہ کیا ہوگا۔

یہود نے مذاق اُڑایا[1] کہ کہاں وہ محفوظ ملک اور کہاں یہ مسلمان، اس پر یہ آیت اتری[2] (مدارک ملخصاً) کہ عالم اجسام کا نام ملک ہے اور عالم ارواح یا عالم انوار کا نام ملکوت ہے، اجسام پر تو ظاہری سلطنت بندوں کو عطا ہو جاتی ہے مگر عالم ارواح پر رب تعالیٰ کی سلطنت ہے ــــ یا ــــ ظاہری قوانین دیگر سلاطین بھی جاری کرتے ہیں مگر تکوینی قانون جیسے موت وحیات، خوش نصیبی وبدنصیبی یہ رب تعالیٰ کے ہی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے "بیدہ ملکوت کل شئ" جن انبیاء واولیاء کا تکوینی امور میں تصرف قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ باذن پروردگار ہے کیونکہ حضرات اولیاء خلفاء انبیاء اور حضرات انبیا خلفاء کبریا ہوتے ہیں..... مدارک میں اسی آیت کے تحت مالک الملک کی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس ملک کا مالک ہے تو وہ اس میں تصرف کرتا ہے جیسے کہ مالک اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے (انتہیٰ ملخصاً)

تصرف کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے ملک بنا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے ملکیت چھین لیتا ہے۔ یعنی اللہ کا کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا ہمارے کسی کو کسی چیز کا ملک بنانے کی طرح نہیں ہے کہ ہم اگر کسی کو کسی چیز کا مالک بناتے ہیں تو وہ چیز ہماری ملک سے نکل جاتی ہے اور پھر اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں رہتا..... بلکہ خدا مالک بنا دینے کے بعد بھی اس کا مالک رہتا ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ خدا نے جس کو کسی چیز کا مالک بنایا ہے وہ مالک تو خود خدا کی ملک میں ہے تو پھر اس کی ملک خدا کی ملک سے کیسے باہر ہو سکتی ہے؟

الحاصل اللہ چیزوں کا بھی مالک ہے اور ان چیزوں کی ملکیت کا بھی مالک ہے تو جس کو چاہے چیز دے دے لیکن ملکیت کا مالک نہ بنائے" اس صورت میں چیز پانے والا خود تو تصرف کر سکتا ہے لیکن دوسروں کو مالک نہیں بنا سکتا" اور جسے چاہے چیز بھی دے اور اس کی ملک کا بھی مالک بنا دے تو اب پانے والا مختار ہوگا خواہ اپنے تصرف میں رکھے یا کسی اور کو مالک بنا دے۔ بہر حال اللہ ہر چاہے پر قادر ہے، چاہے کسی کو صرف عالم اجسام کا مالک بنائے یا صرف عالم ارواح کا

[1] معلوم ہوا کہ علم غیب رسول کا مذاق اڑانا منافقین ویہود کی روش ہے۔

[2] پتہ چلا کہ رسول کی ہنسی اور مذاق اڑانے والوں کا جواب دینا سنت الٰہیہ ہے۔

مالک بنائے یا دونوں عالموں کی ملک عطا فرما دے وہ خدائے تعالیٰ جس جس چیز کا مالک ہے اس میں سے جس کو چاہے جو دے دے، کون ہے روکنے والا؟ اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں کو ملک عطا فرما دیا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ابھی بتایا جا چکا ہے "له الملک" اللہ ہی کیلئے ملک ہے ...... یا ...... "لم یکن له شریک فی الملک" ملک میں اللہ کا کوئی شریک نہیں اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ کے سوا بھی بعض دوسرے ملک والے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ "وله الملک" اور "لم یکن له شریک فی الملک" میں مستقل بالذات ملکیت اور حقیقی صاحب ملک ہونے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص فرمایا جا رہا ہے اور اس آیت میں دوسروں کے مجازی طور پر صاحب الملک ہونے کی طرف اشارہ ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں اسی طرح آگے کی آیتوں میں بھی مالک سے مراد مالک حقیقی اور مستقل بالذات صاحب ملک ہے۔

۳۵) ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾

(المؤمنون آیۃ ۱)

یعنی، تو بہت بلندی والا ہے اللہ، سچا بادشاہ، کوئی معبود نہیں سوا اس کے عزت والے عرش کا مالک۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ عالم کے ہر ذرے کا اللہ تعالیٰ رب ہے، مگر ادب یہ ہے کہ اس کی ربوبیت کی نسبت اس کی بڑی مخلوق کی طرف کی جائے اسے کفار کا رب کہہ کر نہ پکارو بلکہ حضور آیہ رحمت کا رب کہہ کر پکارو۔

۳۶) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ[1] مَلِكِ النَّاسِ[2] اِلٰهِ النَّاسِ[3]﴾ (الناس: آیۃ ۱، ۲، ۳)

یعنی، تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا۔

---

[1] مربیھم و مصلحھم (مدارک)۔

[2] مالکھم ومدبر امورھم (مدارک)۔

[3] معبودھم (مدارک) یعنی لوگوں کا مربی و مصلح ان کا مالک اور ان کے امور کا مدبر اور ان کا معبود۔

"ملک الناس" سے مراد سب کا حقیقی حاکم و مالک ہے، چونکہ انسان جوانی میں مست ہو کر بے راہ ہو جاتا ہے اس پر قانونی گرفت کی ضرورت ہے اس لئے یہاں ملک الناس فرمایا اله الناس کا مطلب سارے لوگوں کا حقیقی معبود و مقصود۔ چونکہ انسان بڑھاپے میں عبادت میں مشغول ہوتا ہے اس لئے آخر میں الوہیت و معبودیت کا ذکر فرمایا رہ گئی پہلی صفت رب الناس اس کی تقدیم اس لئے ہے کہ سب سے پہلے انسان ربوبیت ہی کا محتاج ہے اس لئے کہ انسان کا آغاز بچپن ہی سے ہوتا ہے واللہ رسولہ اعلم۔

۳۷) ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن آیۃ ۱۶)

یعنی، جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ پر ان کا کچھ حال چھپا نہ ہوگا آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ سب پر غالب کی۔

تکوینی حکم صرف اللہ کا ہے ...... یا ...... قیامت کے دن صرف اللہ کا حکم ہوگا، تمام دنیا کے بادشاہوں کی بادشاہت ختم ہو چکی ہوگی دنیا میں انبیاء کرام باذن رب شرعی حاکم ہیں اور دنیاوی بادشاہ ظاہری حاکم ہیں بعض اولیاء اللہ رب کے حکم کے مظہر ہوتے ہیں جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔

گفتہ را او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد مودودی صاحب نے ایک حدیث تحریر کی ہے جو امام احمد نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت کی ہے اور اس حدیث کو اس آیت کی بہترین تفسیر قرار دیا ہے حالانکہ اس آیت میں جس واقعہ کی نشان دہی کی جا رہی ہے وہ خود مودودی صاحب ہی کی وضاحت کے مطابق نفخ ثانیہ کے بعد کا واقعہ ہے مودودی صاحب ہی کا یہ ترجمہ و مطلب ہے کہ:

"یعنی جس روز سب لوگ بے نقاب ہوں گے کسی کا کوئی راز اللہ سے چھپا نہ ہوگا اس

وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اور جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ اللہ کی جس کا اقتدار سب پر غالب ہے''۔ (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۳۸)

ان عبارتوں پر غور فرمایئے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ واقعہ اور یہ سوال و جواب اس دن ہوگا جب دوسرا صور پھونکا جا چکا ہوگا لوگ اپنی قبروں سے نکل کر میدان قیامت میں پہونچ چکے ہوں گے اور ایسا ظاہر ہو چکے ہوں گے کہ کوئی چیز ان کو چھپا نہ سکے یہاں تک کہ وہ اپنا کوئی راز بھی مخفی نہ رکھ سکیں گے۔

اب اس حدیث کو دیکھئے جسے مودودی صاحب نے نقل کیا ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

"الله تعالى يطوى السموات والارض بيده ثم يقول انا الملك انا الجبار انا المتكبر اين ملوك الارض اين المتكبرون اين الجبارون"

اس حدیث کا ترجمہ بھی مودودی صاحب ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے:

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی[1] میں لے کر پکارے گا میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، کہاں ہیں وہ جو زمین میں بادشاہ بنتے تھے، کہاں ہیں جبار، کہاں ہیں متکبر؟'' (بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۳۸)

اس حدیث پر اور اس کے ترجمہ پر غور فرمایئے گا تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ "انا الملك انا الجبار" (الحدیث) اس وقت ارشاد فرمائے گا جب کہ نہ زمین ہوگی، نہ آسمان، نہ زمین والے ہوں گے اور نہ آسمان والے اور زمین پر بادشاہ بننے والے اور جبر و تکبر کرنے والے پردہ فنا کے اندر ہوں گے۔

الحاصل الفاظ حدیث سے یہ ہدایت مل رہی ہے کہ خدائے عزوجل یہ اسی وقت فرمائے

[1] اللہ تعالیٰ ہاتھ، پیر، مٹھی، ہتھیلی ہر "مستلزم جسمیت" سے پاک ہے جیسا کہ حاشیہ میں گزر چکا ہے "سبحان ربك رب العزة عما يصفون"۔ اور اگر مٹھی سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی وضاحت ضروری تھی۔

گا جب کہ پہلا صور[1] پھونک دیا گیا ہوگا فرش زمین لپیٹ دی گئی ہوگی، شامیانۂ فلک کی وسعتوں، سمیٹ دیا گیا ہوگا الغرض اللہ کے سوا کوئی ماسوی اللہ عالم وجود میں نہ ہوگا۔

اب آپ ذرا سا غور فرمایئے کہ وہ حدیث جو آسمان و زمین و ما فیہما کے پردہ فنا میں رہنے کے وقت کے کسی واقعہ کی نشان دہی کر رہی ہو نیز اس میں کسی قسم کا سوال و جواب نہ ہو تو ایسی حدیث اس آیت قرآنی کی تفسیر کیسے ہو سکے گی جو تمام اہل محشر کے ظہور اور نفخ صور ثانیہ کے کسی سوال و جواب کا پتہ دی رہی ہے؟ غالباً اسی وجہ سے خود امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں نہیں پیش کیا ہے۔ بخاری و مسلم کی بھی کتاب التفسیر اس حدیث یا اس نوع کی حدیث سے خالی ہے ہاں صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر کی روایت کردہ حدیثیں جو قریب قریب کچھ لفظی تغیر کے ساتھ اسی حدیث کے مفہوم کی حامل ہیں "باب النفخ في الصور" میں نقل کیا ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے تو سوال ہوگا کہ مکمل آیت کی تفسیر ہے یا آیت کے کسی کلمہ کی؟......

- اگر پوری آیت کی تفسیر ہے تو بتایا جائے کہ آیت کریمہ کا اس میں کیا معنی بتایا گیا ہے؟......
- یوم ھم بارزون سے کیا مراد ہے؟......
- بروز کا کیا مطلب ہے؟......
- بروز کس حالت میں ہوگا؟......

[1] خیال رہے کہ پہلے ہی صور کو پھونک دینے کے بعد قیامت کا آغاز ہو جائے گا "باب النفخ في الصور" کے پہلے متصلاً جو حدیث ہے اس میں "ثم ينفخ في الصور" کا یہی مطلب شیخ محقق نے بھی بتایا ہے شیخ فرماتے ہیں (پس دمیدہ می شود در صور و قائم می شود قیامت (اشعۃ اللمعات) یہ پہلے ہی نفخ صور کے متعلق ہے دوسرے نفخ صور کے بارے میں اسی حدیث میں "ثم ينفخ فيه اخرى" فرمایا گیا ہے الحاصل لفظ "روز قیامت" کا اطلاق جس طرح کہ بعد نفخ ثانیہ پر کیا جاتا ہے اسی طرح بعد نفخ اولیٰ پر بھی کیا جاتا ہے دونوں صوروں کے پھونکے کے مابین ۴۰ دن یا ۴۰ ہفتے یا ۴۰ سال کا فاصلہ رہے گا اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں مل سکی

کریم کی بھی کوئی حیثیت اور ان کا بھی کوئی مقام نہیں اور آیت و حدیث کے ''دائرہ تہدید'' سے ذات رسول بھی باہر نہیں[1] ...... حالانکہ جلال و جبروت الٰہی کے سامنے آپ کا کمال خشیت دلیل ہے کہ آپ ذات الٰہی کا کمال معرفت رکھتے ہیں یہ کمال معرفت دلیل ہے کمال رفعت کی اور یہ کمال رفعت تقاضا ہے کمال محبوبیت کو اور یہ کمال محبوبیت مقتضی ہے اس کمال عظمت کی جس کی طرف یہ اشعار اشارہ کر رہے ہیں! ......

★ میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا (امام احمد رضا علیہ الرحمۃ)

★ ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (اقبال)

★ اگر خوش رہوں تب تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود (اصغر)

اور یہ کمال عظمت چاہتا ہے اس حقیقت کو جس کی طرف یہ شعر رہنمائی کر رہا ہے

★ فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ انکی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے (مولانا حسن رضا خاں)

کیا سچ فرمایا ہے حضرت شیخ محقق نے کہ ''دراں روز ظاہر گرود دے نائب مالک یوم الدین است روز روز اوست حکم حکم اوست'' اور اگر مودودی صاحب کا مقصد یہ تاثر پیدا کرنا نہیں تو ان کے لئے لازمی تھا کہ جہاں انہوں نے امام الخاشعین علیہ التحیۃ والتسلیم کے کمال خشیت کی طرف اشارہ کیا تھا وہیں چند سطروں میں آپ کی عظمت مصطفویہ کی طرف بھی اشارہ کر دیتے تا کہ ان کی عبارت سے کسی خالی الذہن انسان کے لئے کسی غلط قسم کے تاثر کا امکان بھی نہ رہتا۔

مودودی صاحب نے لفظ اللہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس پر تفصیلی نقد و نظر آپ

---

[1] ایسے ہی موقع پر اور اسی طرح کے انداز کلام پر کہا جاتا ہے ''کلمۃ حق ارید بہا الباطل'' بات تو حق ہے لیکن اس سے ایک باطل ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

- یہ سب کے بروز کی صورت ایک ہوگی یا الگ الگ؟ ......
- لا یخفی علی اللہ منہم شیٔ ہم سے کون لوگ مراد ہیں؟ ......
- عدم خفاء سے کیا مقصود ہے؟
- لمن الملک الیوم کس نے کہا؟ ......
- للہ الواحد القہار سے جواب کون دے گا؟ ......
- الواحد القہار کا کیا معنی ہے؟ ......

...... ان سارے سوالات کا جواب اگر اس حدیث سے نہیں دیا جا سکتا ہے تو پھر اس حدیث کو کس معنی میں اس آیت کی تفسیر کہا جائے؟ —— اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ کہا جائے کہ حدیث شریف کے بعض کلمات آیت کریمہ کے بعض کلمات کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں تو ایسی صورت میں لازم تھا کہ اس بات کی وضاحت کی جاتی کہ کون سا کلمۂ حدیث کس کلمۂ آیت کی تفسیر کر رہا ہے اور کیا تفسیر کر رہا ہے؟ نیز ایسی صورت میں بھی اس حدیث کو پوری آیت کریمہ کی تفسیر قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حدیث کی نقل سے مودودی صاحب کا منشا صرف ان احساسات کا بیان کرنا ہو جو بروایت حضرت ابن عمر صحابہ کرام کو لاحق ہوئے۔ جس کو مودودی صاحب کا قلم یوں بیان کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔

''عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور خطبہ میں یہ الفاظ فرما رہے تھے اس وقت آپ پر ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ منبر سے گر نہ پڑیں''

(بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۳۸)

گو سید الخاشعین امام المتقین سلطان المتواضعین حضور آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال خشیت الٰہی، غایت تقویٰ خاصہ اور بے مثال شان عبدیت کے پیش نظر سطور مذکورہ میں جو کچھ ہے بعید از قیاس اور غیر حقیقی نہیں لیکن مودودی صاحب کا اپنے مضمون کو انہیں کلمات پر ختم کر کے خاموش ہو جانا ممکن ہے کہ صرف یہ تاثر پیدا کرنے کے لئے ہو کہ بارگاہ الٰہی میں رسول

ملاحظہ فرما چکے کہیں کہیں طوالت سے بچنے کے لئے میں نے مودودی صاحب ہی کی عبارتوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلامی حقائق کی توضیح و تشریح کے لئے جس نوع کی بے غبار عبارتوں کی ضرورت ہے مودودی صاحب نے صرف اس لئے اس کو اختیار کرنے سے پہلو تہی کی تھی تا کہ تجدید وہابیت میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور ان کے اپنے خاص فکری رجحانات کو سمجھنے میں کسی کو دقت نہ ہو بلکہ انہیں غیر اسلامی رجحانات کو قرآن وسنت کی تعلیم سمجھ لیا جائے اس کے مقابلے میں میری یہ کوشش رہی ہے کہ میں قرآن وسنت کی اصل روح مختصر انداز میں آپ کے سامنے لا کر رکھ دوں اور یہ واضح کر دوں کہ جن آیات کو مودودی صاحب نے ''تحقیق الٰہ'' کے سلسلے میں نقل فرمایا ہے اس میں اکثر بت پرستوں اور بعض دوسرے کفار ومشرکین کے رد وابطال میں ہیں نہ تو مومنین کی طرف ان کا روئے سخن ہے اور نہ ان سے انبیاء و اولیاء کے تصرفات و اختیارات ثابت اور دوسرے کمالات منصوصہ کی نفی مقصود ہے لہٰذا ان آیات کا انبیاء و اولیاء کے خلاف استعمال کرنا قرآن کریم کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔

ان تحقیقات سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ مودودی صاحب نے جن آیات کو نقل کیا ہے اس کا محض ترجمہ دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ان آیات میں مشرکین کا کس قسم کا رد ہے؟ ان مشرکین کے کیا خیالات تھے؟ ان خیالات میں کتنے شرک تھے کتنے محض کفر اور کتنی محض ان کی جہالت؟ وغیرہ۔

ان حقائق کو سمجھنے کے لئے تفاسیر واحادیث کی طرف رجوع ناگزیر ہے اس لئے کہ تفاسیر واحادیث سے بے نیاز ہو کر ان امور کا سمجھنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

مودودی صاحب کے خیالات کا اجمالی جواب

مودودی صاحب نے لفظ الٰہ کی تحقیق کے سلسلے میں جو کچھ کہا اس کا تفصیلی جواب آپ ملاحظہ فرما چکے، اب آئیے مودودی صاحب کے ان خیالات کا'' جو ان کے اس مضمون کا

خلاصہ و حاصل ہیں ''ایک ایمان افروز اجمالی جواب ملاحظہ فرمائیے پہلے مودودی صاحب کا بیان سماعت فرمائیے!......

''اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو الٰہ بنانا اور اس سے دعا مانگنا ہے''

(بنیادی اصطلاحیں، صفحہ ۱۹-۲۰)

''کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری فریادرسی کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی وناصر اور ولی کارساز بن سکے، نفع یا نقصان پہونچا سکے''۔ (صفحہ ۳۵)

''اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ سے دعا مانگنے والا شرک کرتا ہے''۔

(صفحہ ۳۶)

مودودی صاحب کے ان خیالات میں کس قدر صداقتیں ہیں انہیں نصوص کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:

امان، پناہ دہندگی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لامتی (ابو یعلی فی مسندہ، الحاکم فی المستدرک) ستارے آسمان والوں کے لئے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کی پناہ...... النجوم امنۃ للسماء فاذا ذھبت النجوم اتی السماء ما توعدون وانا امان لاصحابی فاذا ذھبت اتی اصحابی ما یوعدون و اصحابی امنۃ لامتی فاذا ذھب اصحابی اتی امتی ما یوعدون (احمد، مسلم) ستارے امان ہیں آسمان کے لئے جب ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان پر وہ آئے گا جس کا اس سے وعدہ ہے (یعنی شق ہونا فنا ہو جانا) اور میں امان ہوں اپنے اصحاب کے لئے جب میں تشریف لے جاؤں گا میرے اصحاب پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہے (یعنی مشاجرات) اور میرے صحاب امان ہیں میری

امت کے لئے جب میرے صحابہ نہ رہیں گے میری امت پر وہ آئے گا جس کا اس سے وعدہ ہے (یعنی ظہور کذب و مذاہب فاسدہ و تسلط کفار) اھل بیتی امان لامتی فاذا ذھب اھل بیتی اتاھم ما یوعدون (الحاکم) میرے اہل بیت میری امت کے لئے امان ہیں جب اہل بیت نہ رہیں گے امت پر وہ آئے گا جو ان سے وعدہ ہے۔۔۔۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کان من دلالة حمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کل دابة کانت لقریش نطقت تلک اللیلة وقالت حمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورب الکعبة ھو امان الدنیا وسراج اھلھا (الامن والعلی) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حمل مبارک کی نشانیوں سے تھا کہ قریش کے جتنے چوپائے تھے سب نے اس رات کلام کیا اور کہا رب کعبہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حمل میں تشریف فرما ہوئے وہ تمام دنیا کی پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں۔

حاجت روائی:

سرکار مدینہ فرماتے ہیں!۔۔۔۔۔اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمة من امتی ترزقوا وتنجحوا (عقیلی، طبرانی فی الاوسط) او فی لفظ اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی (ابن حبان، خرائطی، قضاعی، ابوالحسن موصلی، الحاکم فی التاریخ) وفی لفظ اطلبوا الفضل من الرحماء (عقیلی) وفی روایة اخری اطلبوا المعروف عن رحماء امتی تعیشون فی اکنافھم (حاکم فی المستدرک) میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو ان سے فضل طلب کرو ان سے بھلائی چاہو رزق پاؤ گے مرادوں کو پہونچو گے ان کے دامن میں آرام سے رہو گے ان کے پناہ میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

نیز فرماتے ہیں!۔۔۔۔۔اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ (الامن والعلی بحوالہ کتب کثیرہ معتبرہ) بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رویوں سے مانگو۔۔۔۔ من کثرت صلوته باللیل حسن وجھه من حسن وجه سے جس حسن کی طرف اشارہ ہے وہ حسن حدیث کا مقصود

ہے۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔ "حسان الوجوہ" سے وہ مراد ہیں جو ایسے صاحب جود وسخا کے کامل ہوں کہ وقت عطا شگفتہ روئی میں فرق نہ آئے۔

نیز فرماتے ہیں!۔۔۔۔۔ اطلبوا الایادی عند فقراء المسلمین فان لھم دولة یوم القیامة (ابونعیم فی الحلیہ) نعمتیں مسلمان فقیروں سے طلب کرو کہ قیامت ان کی دولت ہے۔

سرکار مدینہ فرماتے ہیں!۔۔۔۔۔ان للہ تعالیٰ عباداً اختصھم بحوائج الناس یفزع الناس الیھم وفی حوائجھم اولئک الآمنون من عذاب اللہ (طبرانی فی الکبیر) اللہ عزوجل کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لئے خاص فرمایا ہے لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں یہ بندے عذاب الٰہی سے امان میں ہیں۔

سرکار فرماتے ہیں!

لما خلق اللہ العرش کتب علیه بقلم نور طول القلم ما بین المغرب والمشرق لاالٰه الا اللہ محمد رسول اللہ به اخذ واعطی وامته افضل الامم وافضلھا ابوبکر الصدیق (الرافعی)

جب اللہ تعالیٰ نے عرش بنایا اس پر نور کے قلم سے جس کا طول مشرق سے مغرب تک تھا لکھا اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں انہیں کے واسطے سے لوں گا اور انہیں کے وسیلے سے دوں گا ان کی امت سب امتوں سے افضل اور ان کی امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق۔

زندگی دینا، شفا بخشنا، غیب بتانا، حرام کو حلال کرنا:

﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (الی قوله) وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (قرآن/م)

یعنی، (حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں) میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت پھر پھونکتا ہوں اس میں تو وہ ہو جاتی ہے پرند واللہ کی پروانگی سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور بدن بگڑے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کی پروانگی سے اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں بھر رکھتے ہو (الی قولہ) تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے لئے بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔

تدبیر کائنات:

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا قسم ان فرشتوں کی کہ تمام نظام دنیا ان کی تدبیر سے ہے معالم التنزیل میں ہے قال ابن عباس هم الملائكة وكلوا بامور عرفهم الله تعالى العمل بها قال عبد الرحمن بن سابط يدبر الامر في الدنيا اربعة جبريل وميكائيل وملك الموت واسرافيل عليهم الصلوة والسلام فاما جبريل فوكل بالرياح والجنود واما ميكائيل فوكل بالقطر والنبات واما ملك الموت فوكل بقبض الانفس واما اسرافيل فهو ينزل بالامر عليهم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ مدبرات امر ملائکہ ہیں کہ ان کاموں پر مقرر کئے گئے ہیں جن کی کارروائی اللہ عزوجل نے انہیں تعلیم فرمائی عبدالرحمٰن بن سابط نے فرمایا دنیا میں چار فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں جبریل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل علیہم الصلوۃ والسلام جبریل تو ہواؤں اور لشکروں پر موکل ہیں (کہ ہوائیں چلانا لشکروں کو فتح و شکست دینا ان کے متعلق ہے) اور میکائیل باران و روئیدگی پر مقرر ہیں کہ مینہ برساتے، درخت، گھاس اور کھیتی اگاتے ہیں اور عزرائیل قبض ارواح پر مسلط ہیں اور اسرافیل ان سب پر حکم لے کر اترتے ہیں تفسیر بیضاوی شریف میں ہے او صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع من الابدان غرقا اى نزعا من اغراق النازع في القوس فتنشط الى عالم الملكوت وتسبح فيه فتسبق حظائر القدس فتصير لشرفها ووقوتها من المدبرات یعنی ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے جب وہ اپنے پاک

بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں کہ جسم سے بقوت تمام جدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی حظیرہائے حضرت قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں تو اپنی بزرگی و طاقت کے باعث کاروبار عالم کے تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی خیال رہے القرآن ذو وجوہ (رواہ ابو نعیم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قرآن متعدد معانی رکھتا ہے اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم اپنے ہر معنی پر حجت ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے الزلال الانقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ)۔۔۔۔۔ لہٰذا مدبرات امر کے معنی جس طرح ملائکہ ہیں اسی طرح اسی کے معنی ارواح اولیاء بھی ہیں اور یہ آیت ان دونوں معنوں پر حجت ہے علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی عنایت القاضی اور کفایت الراضی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی و امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس معنی کی تائید میں نقل کرکے فرماتے ہیں ولذا قيل اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا من اصحاب القبور الا انه ليس بحديث كما توهم ولذا اتفق الناس على زيارة مشاهد السلف وتوسلهم الى الله تعالى وان انكره بعض الملاحدة في عصرنا والمشتكى اليه هو الله یعنی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب کاموں میں تحیر ہو تو اصحاب قبور (اولیاء کرام) سے مدد مانگو مگر یہ حدیث نہیں جیسا کہ بعض کو وہم ہوا اور اسی لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں میں اتفاق ہے اگرچہ ہمارے زمانہ میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے ﴿قل يتوفكم ملك الموت الذى وكل بكم﴾ (قرآن) تم فرماؤ تمہیں موت دیتا ہے وہ مرگ کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے ﴿لاهب لك غلاما زكيا﴾ (قرآن) (حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا) میں عطا کروں تجھے ستھرا بیٹا۔

پناہ نگہبان حامی و ناصر ولی و کارساز:

ارشاد ربانی ہے انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا الذين يقيمون الصلوة

ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں ...... یہاں اللہ، رسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرما دیا کہ بس یہی مددگار ہیں تو یقیناً یہ کوئی خاص قسم کی مدد ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور کوئی قادر نہیں ورنہ عام مددگاری کا علاقہ تو ہر مسلمان کو ہر مسلمان کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض "مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں ... امام بخاری حضرت عبداللہ ابن عمر اور دارمی، طبرانی اور یعقوب بن سفیان حضرت عبداللہ ابن سلام سے راوی ہیں کہ توراۃ مقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یوں ہے یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و حرزا للامیین (الی قولہ تعالیٰ) یعفو و یغفر اے نبی ہم نے تجھے بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور بے پڑھوں کے لئے پناہ (الی قولہ) اور معاف کرتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے علامہ زرقانی علیہ الرحمہ شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں جعلہ نفسہ حرزا مبالغۃ لحفظہ لھم فی الدارین یعنی رسول کریم تو پناہ دینے والے ہیں مگر رب تبارک وتعالیٰ نے حضور کو بطور مبالغہ خود "پناہ" کہا جیسے عادل کو عدل یا عالم کو علم کہتے ہیں اور اس وصف کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس دنیا و آخرت میں اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔

بالاتری و بالادستی ملکیت وغلبہ:

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں توراۃ فصل چہارم میں ہے قال اللہ تعالیٰ لابراھیم ان ھاجر تلد و یکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع وید الجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی اور گڑگڑانے کے ساتھ اسی تحفہ میں زبور شریف سے منقول ہے۔

یا احمد فاضت الرحمۃ علی شفتیک من اجل ذلک ابارک علیک فتقلد

السیف فان بھائک وحمدک الغالب (الی قولہ) الامم یخرون وتحتک کتاب حق جاء اللہ بہ من الیمن والتقدیس من جبل فاران وامتلائت الارض من تحمید احمد وتقدیسہ وملک الارض ورقاب الامم ..... اے احمد رحمت نے جوش مارا تیرے لبوں پر میں اسی لئے تجھے برکت دیتا ہوں تو اپنی تلوار حمائل کر تیری چمک اور تیری ثنا غالب ہے سب امتیں تیرے قدموں پر گریں گی سچی کتاب لایا اللہ کی برکت دیا ہی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے بھرگئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے احمد مالک ہے ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا۔

حضرت امام اجل عارف باللہ سیدی سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اجل قاضی عیاض شفا شریف میں امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں، علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض میں اور علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب الدنیہ میں شرعاً وتفسیراً فرماتے ہیں من لم یر ولایۃ الرسول علیہ فی جمیع احوالہ ولم یرنفسہ فی ملکہ لا یذوق حلاوۃ سنتہ جو ہر حال میں نبی کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے وہ سنت نبوی کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا سرکار مدینہ فرماتے ہیں اعلموا ان الارض للہ ورسولہ (بخاری شریف، باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب) یقین جان لو زمین کے مالک اللہ و رسول ہیں ... اعشی مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی سامعہ قدسیہ پر عرض کی جس کی ابتداء اس مصرع سے تھی یا مالک الناس ودیان العرب اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزا و سزا دینے والے (الاصابہ و اعلیٰ بحوالہ کتب کثیرہ معتبرہ) .... ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الشمس فتاخرت ساعۃ من النھار (طبرانی معجم کبیر بسند حسن) سید عالم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے باز رہ وہ فوراً ٹھہر گیا ... اس حدیث حسن کا واقعہ اس حدیث صحیح کے واقعہ عظیمہ سے جدا ہے جس میں ڈوبا ہوا سورج حضور کے لئے پلٹا ہے سیدنا عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم مکرم سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور سے عرض کی مجھے اسلام کی طرف آمادہ کرنے والا حضور کے ایک

معجزے کا دیکھنا ہوا، میں نے حضور کو دیکھا کہ حضور گہوارے میں چاند سے سرگوشیاں کرتے جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے چاند اسی طرف جھک جاتا سید عالم نے فرمایا انی کنت احدثه ویحدثنی ویلهینی عن البکاء واسمع وجبته حین یسجد تحت العرش ہاں میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھ سے باتیں کرتا اور مجھے رونے سے بہلاتا میں اس کے گرنے کا دھماکا سنتا تھا جب وہ زیر عرش سجدے میں گرتا (الامن والعلی بحوالہ کتب کثیرہ معتبرہ)۔ امام شیخ الاسلام صابونی فرماتے ہیں فی المعجزات حسن یہ حدیث معجزات میں حسن ہے سیدنا سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز عصر گھوڑوں کے ملاحظہ میں قضا ہوگئی یہاں تک کہ سورج پردے میں جا چھپا آپ نے ارشاد فرمایا ردوہا الی پلٹالاؤ میری طرف، امیر المؤمنین مولائے کائنات علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے (تفسیر معالم التنزیل) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول میں ضمیر آفتاب کی طرف ہے اور خطاب ان ملائکہ سے ہے جو آفتاب پر متعین ہیں یعنی اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لاؤ وہ حسب الحکم لائے یہاں تک کہ مغرب ہو کر عصر کا وقت ہوگیا اور سیدنا سلیمان نے نماز ادا فرمائی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام ملائکہ مدبرات الامر کے بھی حاکم و سلطان ہیں سیدنا سلیمان کے حکم کا یہ عالم تو سید کائنات رحمۃ للعالمین، ساری مخلوق کے رسول کا (جن کی رسالت عامہ پر ''ارسلت الی الخلق کافۃ'' اور ''ولیکون للعالمین نذیرا'' وغیرہ شاہد عدل ہیں) کیا عالم ہوگا اور ان کے حکم کا کیا مقام ہوگا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

استعانت و دُہائی:

جب وفد ہوازن خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے اموال و عیال پر مسلمان غنیمت میں لائے تھے حضور سے مانگا اور طالب احسان والا ہوا تو حضور والا نے فرمایا کہ جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا انا نستعین برسول اللہ علی المؤمنین او المسلمین (رواہ النسائی) ہم رسول اللہ سے استعانت کرتے ہیں مؤمنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں

......صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے غلام نے کہنا شروع کیا اعوذ باللہ اللہ کی دہائی، اللہ کی دہائی! انہوں نے ہاتھ نہ روکا غلام نے کہا اعوذ برسول اللہ رسول اللہ کی دہائی! فوراً چھوڑ دیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تو اس غلام پر انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا...... خیال رہے کہ اللہ کی دہائی عام معمول ہونے کے سبب مؤثر نہ ہوئی انسان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس بات کا محاورہ کم ہوتا ہے اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے ورنہ نبی کی دہائی بعینہٖ اللہ کی دہائی ہے اور نبی کی عظمت اللہ ہی کی عظمت سے ناشی ہے۔

یہی مضمون عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک صاحب اپنے کسی غلام کو مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا اللہ کی دہائی! اتنے میں غلام نے حضور کو تشریف لاتے دیکھا تو کہا رسول اللہ کی دہائی! فوراً ان صاحب نے کوڑا ہاتھ سے ڈال دیا اور غلام کو چھوڑ دیا۔ حضور نے فرمایا سنتا ہے خدا کی قسم بے شک اللہ عزوجل مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی دہائی دینے والے کو پناہ دی جائے ان صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ تو وہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔

اس حدیث نے تصریح کردی کہ حضور علیہ السلام نے دونوں دہائیاں سنیں اور پہلی دہائی پر ان کا نہ رکنا اور دوسری پر فوراً باز رہنا بھی ملاحظہ فرمایا لیکن نہ تو اس غلام سے فرماتے ہیں کہ تو مشرک ہوگیا، اللہ کے سوا میری دہائی دیتا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ اللہ کی دہائی چھوڑ کر نہ اس آقا سے ارشاد کرتے ہیں کہ یہ کیسا شرک اکبر، خدا کی دہائی کی وہ بے پرواہی اور میری دہائی پر یہ نظر! ایک تو میری دہائی مانی اور وہ بھی خدا کی دہائی نہ مان کر! رسول کریم نے یہ سب کچھ کہنے کے بجائے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے یعنی دہائی تو اپنی بھی قائم رکھی اور اپنی دہائی پر پناہ دینی بھی ثابت رکھی صرف اتنا ارشاد ہوا کہ خدا کی دہائی زیادہ ماننے کے قابل تھی۔

اس کا اجمالی جواب کے سلسلے میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ ایک قطرہ ہے اس دریا کا جس کا نام ہے!......

★ "الامن والعلی لناعتی لمصطفی بدافع البلاء"

ازافاضات عالیہ مجدد مائۂ حاضرہ امام احمد رضا ﷜

ہر حق کے متلاشی کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید بخش ہے۔

خاتمہ

ان نصوص کو دیکھ لینے اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد کیا کوئی منصف مزاج ایسا بھی ہے جو مودودی صاحب کی تحقیقات کو نظر اعتبار سے دیکھے؟ یہ نصوص اس حقیقت کو روشن کر رہی ہیں کہ وہ آیات جو مودودی صاحب نے تحقیق الٰہ کے سلسلے میں نقل کی ہیں ان میں صرف بت پرستوں اور دیگر کفار و مشرکین کا رد ہے اور ان میں اللہ نے جن جن صفات کو اپنے لئے خاص فرمایا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ اللہ کی اپنی ذاتی صفات ہیں جس میں سے بتوں کو تو کچھ بھی نہیں عطا کیا گیا پھر اے مشرکو تم ان کو کیوں پوجتے ہو عبادت کا مستحق تو وہی ہے جو اپنی ہر ہر صفت میں مستقل بالذات ہو اور یہ شان تو اللہ کے سوا کسی میں بھی نہیں تو پھر غیر اللہ کی پرستش یا ان کی اللہ سے ہمسری و ہم جنسی چہ معنی دارد! ...... لیکن اس کلام کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب بندوں کو بھی ان صفات عالیہ سے نہیں نوازا۔ اللہ مختار کل ہے قادر مطلق ہے، جس کو چاہے اپنی جو صفت عطا فرمادے پھر بھی بندے کو وہی دیا جائے گا جو ایک ممکن کے لئے ممکن ہو لہٰذا اللہ کی کسی صفت سے مساوات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی ہر صفت ذاتی اور بندے کی ہر صفت عطائی۔ اللہ کا ہر کمال نفس الامر میں غیر متناہی اور بندے کا ہر کمال نفس الامر میں متناہی خواہ دوسرے بندوں کا فہم و ادراک سے ماورا ہو! یہی وہ صحیح و سالم راستہ اور طریقہ ہے۔ جس سے تمام نصوص اثبات و نفی کی بحسن وخوبی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

تمت

ماخذ بلا واسطہ

قرآن کریم	
مشکوٰۃ شریف	امام شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
بیضاوی شریف	علامہ قاضی ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر البیضاوی
مدارک شریف	علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی
جلالین شریف	علامہ جلال الدین سیوطی وعلامہ جلال الدین محلی
اکلیل	علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مکی
اتقان اردو	تالیف علامہ جلال الدین سیوطی ترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری
الدولۃ المکیہ	مجدد مائۂ حاضرہ امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ
الکلمۃ العلیا	صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی
التحقیق البارع	مخدوم الملۃ حضور محدث اعظم ہند
الامن والعلی	مجدد مائۂ حاضرہ امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ
سیرت رسول عربی	عارف باللہ مولانا محمد نور بخش توکلی ایم اے
قاموس	امام ابوطاہر مجدالدین محمد شیرازی
منتہی الارب	علامہ عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری
صراح	حبر وقت ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد المدعو بجمال القرشی
المنجد	لویس معلوف
مصباح اللغات	مولوی عبدالحفیظ بلیاوی
منتخب اللغات	علامہ عبدالرشید حسینی

غیاث اللغات — علامہ غیاث الدین بن جلال الدین بن شرف الدین رامپوری

تبیان شرح میزان — مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں — ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیم القرآن (۲،۳) — ابوالاعلیٰ مودودی

تجدید واحیائے دین — ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیمات اول — ابوالاعلیٰ مودودی

تقویۃ الایمان — مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی

بالواسطہ

زبور شریف، تورات شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم،
ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، شرح السنۃ،
سنن دارمی، دلائل النبوۃ للبیہقی، مسند امام احمد، طبقات ابن سعد،
عقیلی، الاوسط والکبیر للطبرانی، المستدرک للحاکم، مسند ابویعلی،
الحلیہ لابی نعیم، التاریخ للحاکم، معالم التنزیل، خصائص کبریٰ للسیوطی،
سیرت ابن ہشام، استیعاب، اصابہ، شفا شریف،
نسیم الریاض، تحفہ اثنا عشریہ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، المصنف لعبد الرزاق،
مواہب اللدنیہ، زرقانی لمحمد بن عبدالباقی، الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی للامام احمد رضا،
الارشاد فی القرأت العشر للعلامۃ ابوبکر الواسطی، دعوات الکبیر للبیہقی، وفاء الوفاء للعلامہ سمہودی
وغیرہا

زیر طبع
مولوی اسماعیل دھلوی
اور
تقویۃ الایمان
مؤلف
حضرت زید ابوالحسن فاروقی مجددی
(فاضل جامعۃ الازھر)
ضیاء اکیڈمی کراچی